فریضۂ اِقامتِ دین
اسلاف کی آراء و تعامل

عبدالسلام عمر
ناظم تربیت
تنظیم اسلامی
حلقہ بلوچستان

شائع کردہ
تنظیم اسلامی
دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، ملتان روڈ چوہنگ، لاہور 53800
فون: (042)35473375-78
ای میل: markaz@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

فہرست مضامین

1 حرفِ ابتداء 2
2 اقامتِ دین اسلاف کی آراء و تعامل 4
3 ابتدائیہ 5
4 بنیادی مقدمات 9
5 غلبۂ اسلام کے حوالے سے اکابر مفسرین کے اقوال 17
6 اقامتِ دین کا مفہوم 21
7 **الاقامۃ:** 24
8 دین 25
9 أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ کے معروف تراجم 27
10 أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ کی تفسیر میں متقدمین و متاخرین کے اقوال 28
11 اقامتِ دین کے لیے استعمال ہونے والی دیگر اصطلاحات 39
12 اقامتِ دین کا ہم معنی مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں 41
13 اقامتِ دین کا ذکر احادیث مبارکہ میں 47
14 فرضیت اقامتِ دین —— اسلاف کی آراء 50
15 تحفظ و فریضۂ اقامتِ دین کی مساعی میں خلفاءِ راشدین کا کردار 82
16 تحفظ و اقامتِ دین کی مساعی میں ائمۂ اربعہ اور ان کے شاگردوں کا کردار 89
17 انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں اقامت دین کے لیے اٹھنے والی اسلامی تحریکیں 99

حرفِ ابتدا

دورِ حاضر میں ہمارے بعض علمی حلقے اس بات کا بہت زور شور سے پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ "غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد" جدید مسلم مفکرین کے ذہن کی اختراع[۱] ہے۔ جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ کوئی دینی فریضہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ فکر عالمِ اسلام پر یورپی اقوام کی یورش[۲] اور نوآبادیاتی غلبہ (colonial rule) کے ردِ عمل کے طور پر پروان چڑھی اور انیسویں صدی میں مسلم دنیا کے عالمی سیاسی زوال کے بعد یہ "رومانوی" یا بالفاظِ دیگر اسلامی انقلابی فکر پیدا ہوئی کہ دینِ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے جبکہ یہ تصور ہمارے اسلاف میں نہیں پایا جاتا تھا، چنانچہ اپنے اصل کے اعتبار سے یہ ایک بدعت اور جدّت[۳] ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ جدید مسلم مفکرین آیاتِ قرآنیہ (شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ ____)، (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ____) اور (لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا ___) اور ان جیسی آیات سے کھینچ تان کر فریضۂ اقامتِ دین نکال لاتے ہیں۔ حالانکہ ان آیات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ اقامت دین بھی کوئی دینی فریضہ ہے اور اگر کسی درجے میں ہے بھی تو ان کا حکم نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں 23 سالہ جاں گسل[۴] جدوجہد کے نتیجے میں دین کو قائم اور نافذ کر گئے ہیں اور غلبہ دین کی جو ذمہ داری آپ ﷺ کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ اس ذمہ داری کو امتِ مسلمہ پر منطبق[۵] کرنا تکلیف مالا یطاق[۶] ہے اور جو ذمہ داری باری تعالیٰ نے امت پر نہیں ڈالی وہ خواہ مخواہ اپنے سر لینے والی بات ہے۔

(۱) ایجاد (۲) حملہ (۳) نیاپن (۴) جان کو تکلیف دینے والا (۵) موافق (۶) ایسی تکلیف جو برداشت نہ کی جاسکے

اس پس منظر میں برادرم عبدالسلام عمر صاحب[۱] کا یہ مقالہ جس میں متقدمین و متاخرین[۲] کی آراء کو اختصار سے مگر پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ اقامتِ دین کا تصور کوئی نئی فکر نہیں اور کچھ اصحابِ فکر و دانش[۳] کی بدعت اور اختراع نہیں بلکہ ہمارے متقدمین و متاخرین بھی اس کے قائل رہے ہیں۔ بلاشبہ محمد رسول ﷺ کی بعثت کا مقصد غلبۂ دین کے لیے جدوجہد کرنا تھا اور اس جدوجہد کے نتیجے میں نبی ﷺ نے سرزمین عرب پر دین کو نافذ اور غالب کر دیا تھا لیکن چونکہ آپ ﷺ کی رسالت پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ لہٰذا پوری دنیا پر دین غالب اور قائم ہو کر رہے گا۔ اسی بات کو قرآن مجید میں اشارات میں اور احادیثِ نبویہ ﷺ میں بصراحت[۴] بیان کیا گیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی یہ ذمہ داری امتِ مسلمہ کے سپرد کی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں امتِ مسلمہ پر بھی غلبہ دین کی جدوجہد فرض ہے اور یہی اس کی تشکیل کا مقصد ہے۔ یہ کاوش ان شاء اللہ نہ صرف اقامتِ دین کے تصور کو اُجاگر کرنے میں مدد دے گی بلکہ تحریکی کارکنوں کے لیے ذہنی و قلبی یکسوئی[۵] اور طمانیت[۶] کا باعث بھی بنے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عبدالسلام عمر صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور آخرت میں ان کے درجات بڑھانے کا ذریعہ بنائے۔ آمین

خورشید انجم
مرکزی ناظم شعبہ تعلیم و تربیت
تنظیم اسلامی پاکستان

(۱) ناظم تربیت تنظیم اسلامی حلقہ بلوچستان (۲) اگلے زمانے کے اور اخیر زمانے کے لوگ
(۳) عقل و فکر والے لوگ (۴) وضاحت کے ساتھ (۵) دل جمعی (۶) اطمینان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقامتِ دین اسلاف[۱] کی آراء وتعامل[۲]

یہ مضمون پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔پہلا حصہ : بنیادی مقدمات اور ان کی توضیح پر مشتمل ہے۔دوسرا حصہ: غلبۂ اسلام کے حوالے سے اکابر مفسرین کے اقوال(10اقوال)۔
تیسرا حصہ: اقامتِ دین کا مفہوم، تراجم، متقدمین ومتأخرین کے تفسیری اقوال (1 6 اقوال) اقامتِ دین اور ہم معنی اصطلاحات، ہم مضمون آیات، اقامتِ دین سے متعلق احادیث مبارکہ۔چوتھا حصہ: فرضیت اقامتِ دین، اسلاف کی آراء۔پانچواں حصہ: اقامتِ دین اور اسلاف کا تعامل (بدءِ الاسلام[۳] سے آج تک)

میرے اس مضمون کا انداز بیانیہ ہے تقابلی وتجزیاتی نہیں ہے۔میں نے کسی بھی تحریک کی کامیابی وناکامی کے اسباب وعلل کا جائزہ نہیں پیش کیا۔بلکہ یہ بات الحمدللہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ اقامتِ دین کے کام سے اُمت کا کوئی حصہ اور دور خالی نہیں رہا اور سلف سے خلف[۴] تک اس سعی[۵] کی اہمیت بنیادی رہی ہے۔

(عبدالسلام عمر)

(۱)اگلے وقتوں کے لوگ (۲)باہمی عمل(Interaction) (۳)آغازِ اسلام
(۴)تمام زمانوں میں (۵)کوشش

ابتدائیہ

اسلام کی حقیقی تعبیر یقیناً خیر القرون[۱] ہیں۔اور یہ ایک غیر متنازعہ حقیقت ہے کہ اسلام ابتداء سے ہی غالب رہا اور اسے علمی وعملی اعتبار سے غلبہ حاصل رہا۔خلافت علیٰ منہاج النبوۃ، اسلام کی صحیح اور کامل جامع تصویر تھی اور اگرچہ اس کے بعد شورائی نظام میں تبدیلی آئی مگر "بادشاہت" کو اختیار کرنے کے بعد بھی لگ بھگ 1200 سال تک مسلمانوں کا "عام قانون" شریعتِ اسلامیہ پر ہی مشتمل ہوتا تھا۔یعنی اقامتِ صلوٰۃ اور تنفیذِ زکوٰۃ حکومتی ذمہ داری تھی، اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر حکومت کی ذمہ داری شمار کی جاتی تھی اور حکومت اس کا بندوبست بھی کرتی تھی اگرچہ علماء اپنی ذمہ داری انفرادی سطح پر ایسے نبھاتے تھے کہ ایک طرف عوام کو اور دوسری طرف بادشاہان وقت کو شریعت کے اوامر ونواہی کا احساس دلاتے رہتے تھے۔عدالتوں میں قاضی قانونِ شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ معاشرتی سطح پر مردوزن میں اختلاط[۲] نہ تھا، پردہ کا نظام عام تھا، سود، جوا، شراب، لاٹری اور دیگر حرام صورتیں اسلامی معیشت میں ممنوع تھیں اسی طرح اگرچہ خلافت کی حقیقی اور تصوراتی صورت کی جگہ "بادشاہت" نے لے لی تھی اور یقیناً بادشاہ شریعتِ مطہرہ کے معاملے میں پہلوتہی[۳] بھی کرتے تھے اور اپنی ذات اور خاندان کے حوالے سے تجاوز[۴] بھی کرتے تھے مگر یہ حقیقت ہے کہ انہیں بھی کبھی حاکم حقیقی ہونے کا دعویٰ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا بلکہ انہوں نے بھی خلافت کا لاحقہ[۵] اپنے ساتھ لگائے رکھا اور "اَلسُّلْطَانُ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ"[۶] کا سہارا لیے رہے۔اور واقعہ یہ ہے کہ جابر سے جابر اور فاسق سے فاسق بادشاہ کو مکمل طور پر شریعت کو منسوخ کر کے غیر شرعی قوانین کو "قانون عام" کا درجہ دینے کا یارا[۷] نہ ہوا۔(واضح رہے کہ کمزوریوں اور شریعت سے پہلوتہی کے حوالے سے ہم بادشاہت یا بادشاہوں کی وکالت نہیں کر رہے اور ہماری نظر میں بھی اسلام کی اصل تصویر وہی ہے جو خلافت راشدہ میں

(۱)بہترین زمانہ (۲)میل جول (۳)کنارہ کشی (۴)حد سے بڑھنا (۵)ساتھ لگا ہوا
(۶)بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔ (۷)حوصلہ

تھی جو حقیقتاً نبوت کا تتمہ[1] تھی۔) تا آنکہ اغیار غالب آ گئے اور اسلامی حکومت کا مکمل خاتمہ کرنے کے ساتھ ساتھ "شریعتِ اسلامیہ" کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا اور سوائے چند ذاتی عبادات و معاملات کے اجتماعی معاملات سے شریعت کو مکمل طور پر دیس نکالا[2] دے دیا گیا۔ پھر جب اسلامی دنیا کو اسلامی ممالک میں تقسیم کر دیا گیا اور مسلمانوں پر مسلمان حکمران مسلط کیے گئے مزید یہ کہ انفرادی سطح پر کچھ مذہبی آزادی بھی دی گئی تو وہاں بھی شریعت کے اجتماعی احکام تقریباً منسوخ ہی رہے۔ اس اجمال[3] کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ خیر القرون سے لے کر تقریباً چھ سو سال تک دنیا کے ایک بڑے حصے میں سیاسی و علمی عروج حاصل رہا، جب کہ ساتویں صدی ہجری کے دوران منگولوں کے ہاتھوں پہلے تو وسط ایشیا کی مسلمان ریاستیں تباہ و برباد ہوئیں اور اس کے بعد خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ ہوا اور دار الحکومت بغداد کی مکمل تباہی عمل میں آئی۔ اس کے چند صدیوں بعد نویں صدی ہجری میں ہسپانیہ میں مسلمانوں کو سخت ہزیمتیں[4] اٹھانی پڑیں اور مغربی یورپ میں مسلمانوں کی عظمتوں کے مینار زمین بوس[5] ہوتے گئے، تاہم باقی دنیا میں مسلمانوں کی سیاسی اور تہذیبی قوت قائم رہی اور اس کے باوجود کہ تمام اسلامی ممالک میں حکومتیں بادشاہت کے اصول پر قائم رہیں، اجتماعی طور پر مسلمانوں کو ہی غلبہ حاصل رہا۔ گیارھویں صدی ہجری (17 ویں صدی عیسوی) کے اواخر میں مسلمان ممالک میں تین بڑی حکومتیں قائم تھیں: یعنی

1۔ ترکی کی مسلمان حکومت 2۔ ایران کی مسلمان حکومت 3۔ ہند کی مسلمان حکومت۔

ترکی میں خلافتِ عثمانیہ قائم تھی، جو کسی زمانے میں حربی اعتبار[6] سے اتنی مضبوط اور سیاسی لحاظ سے ایسی مستحکم[7] تھی کہ یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں اس سے خائف رہتی تھیں۔ اسی طرح ایشیا کے وسط میں ایران کی عظیم الشان سلطنت تھی جس کا پھیلاؤ مشرق کی جانب نسبتاً زیادہ تھا، تاہم آذربائیجان، جارجیا، آرمینیا کا کچھ حصہ اور قفقاز کے علاقے بھی اس میں شامل تھے۔ ہندوستان میں مغلوں کی حکومت قائم تھی، اورنگزیب عالمگیر کے زمانے تک اس حکومت کی حدود جنوب میں راس کماری، مشرق میں مانڈلے اور پیگو تک اور شمال مغرب میں

(۱) بقیہ حصہ (۲) نکال دیا (۳) اختصار (۴) ناکامیاں (۵) گر پڑنا (۶) جنگی اعتبار سے (۷) مضبوط

افغانستان اور وسط ایشیا کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

بارہویں صدی ہجری (18 ویں صدی عیسوی) کے آغاز میں ان تینوں سلطنتوں کا زوال تقریباً ایک ہی زمانے میں شروع ہوا، مسلمانوں کے لیے زوال کا پیغام لانے والی یورپی قومیں تھیں۔ انیسویں و بیسویں صدی میں مغربی اقوام کے پوری دنیا پر سیاسی اور عسکری[1] غلبے نے یہ صورت پوری اسلامی دنیا میں پیدا کر دی کہ شریعتِ اسلامیہ کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا اور عالم اسلام مکمل طور پر مغربی تسلط کے زیرِ نگیں آ گیا۔ واضح رہے کہ مغرب کا یہ تسلط[2] صرف عسکری نہ تھا بلکہ فکر و نظر، تہذیب و تمدّن، تعلیم و تعلّم اور نظام ہائے زندگی پر بھی محیط تھا اور حقیقت واقعہ یہ ہے مغربی تعلیم کی وجہ سے جہاں اِلحاد[3] و مادیت کی ہوائیں چلیں اور مغربی تعلیمی اداروں سے تعلیم پانے والوں کی اکثریت دہریت[4] و مادہ پرستانہ سوچ کی حامل بننے کے ساتھ ساتھ نظامِ زندگی کے طور پر "سیکولر جمہوریت" پر مطمئن ہو گئی اور اسے ہی انسانیت کی معراج سمجھنے لگی۔ وہیں دین دار طبقہ کی ایک بڑی تعداد بھی اسلام کو نظامِ زندگی کے طور پر قائم کرنے کے حوالے سے اس غلط فہمی کا شکار ہو گئی کہ بہر حال حکمران تو چاہے نام کے سہی مسلمان تو ہیں اور ہمیں صوم و صلوٰۃ اور رسوم و رواج کی آزادی تو ہے۔ رہی اسلامی معاشرت، پردہ، مخلوط طرز زندگی کی نفی، عدم مساوات، سودی معیشت، جوا، لاٹری، استحصال، عدالتوں میں قرآن و سنت کا قانون نہ ہونا، غیر اسلامی قوانین تو اس سے ہمیں کیا سروکار یہ تو "سیاسی امور" ہیں اور دین و سیاست کا کیا میل اور اگر ہے بھی تو عوام کا اس سے کیا لینا دینا، علماء جانیں اور ان کا کام جانے۔ مزید یہ کہ جن میں نفاذِ شریعت کا جذبہ تھا انہیں بھی انتخابات کی بُھول بھلیوں میں لگا دیا گیا۔ جہاں نہ اکثریت حاصل ہو گی، نہ شریعت قائم ہو گی، کا معاملہ ہے۔ اور جہاں عوام الناس میں "ایمانِ حقیقی" ہونا فرض کر لیا جاتا ہے وہاں "ایمان کی محنت" سے زیادہ اسلامی حکومت کے خواب سجانے کا معاملہ ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ اس طرزِ فکر سے عوام الناس کی اکثریت میں "غیر اسلامی" نظام میں زندگی گزارنا نہ صرف یہ کہ کوئی گناہ نہ رہا بلکہ غلبۂ دین کی جد و جہد زیادہ سے زیادہ ایک اضافی نیکی قرار پائی۔

(۱) فوجی (۲) غلبہ، قبضہ (۳) دینِ حق سے پھر جانا (۴) خدا کو نہ ماننا

اللہ اللہ! کوئی فرق سا فرق ہے کہ کہاں اسلاف کے ہاں "اِستخفافِ شریعت"[۱] گناہ شمار کیا جاتا تھا اور کہاں "استہزاء شریعت"[۲] کو بھی بارِ خاطر میں نہیں لایا جا رہا۔ اور بازاروں، ٹی وی چینلز اور سوشل میڈیا میں ہونے والی بے پردگی، سودی معیشت، برطانوی قانون پر مبنی نظام عدالت جوا، لاٹری، استحصال[۳] قتل و غارت، یہاں تک کہ "بازی بازی باریشِ بابا ہم بازی"[۴] کے مصداق بات توہینِ رسالت تک آن پہنچی (کیا اس سے بھی بڑھ کر استہزاء[۵] باقی ہے) مگر "جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے" کے مصداق عوام کی اکثریت "دنیا کی دوڑ اور معیارِ زندگی بلند" کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہے اور جن میں استعداد ہے اور جن کی ذمہ داری دوسروں سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہہ کر کہ "چلیے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی" فی الحال اس کام کے حوالے سے امن و امان کے قیام کے پیشِ نظر "چلنے دو جیسے چل رہا ہے" اور "خواہ مخواہ کا فساد ہوگا" اور "ہمیں جو صوم و صلوٰۃ کی آزادی حاصل ہے وہ بھی چھن جائے گی" اور "پہلے کسے اس میدان میں کامیابی حاصل ہوئی ہے" اور "اپنے دین و ایمان کی فکر کرو" (گویا غلبۂ اسلام کی جدوجہد نہ کرنے سے دین و ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑتا) "جماعتی زندگی کی صعوبتیں[۶] اور خواہ مخواہ کی ذمہ داریاں کون نبھائے" ایسی باتیں کر کے جان چھڑا لیتے ہیں۔ اس پر مستزاد[۷] یہ کہ کہاں اسلام اپنے 14 سو سالہ دور میں کسی نہ کسی صورت میں تقریباً 12 سو سال سے زائد عرصہ تک غالب رہا اور کہاں یہ صورت کہ اب اسے ایک نظامِ حیات ثابت کرنا پڑ رہا ہے اور کہاں یہ کہ "زندہ قوت تھی زمانے میں یہ توحید کبھی" کے مِصداق اسلام غالب و مسلمانوں کا واحد ضابطۂ حیات تھا اور کہاں یہ صورت کہ اب ثابت کرنا پڑ رہا ہے کہ یہ اپنا غلبہ بھی چاہتا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ! (الحشر:2)

"اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔"

(۱) شریعت کو حقیر جاننا (۲) شریعت کا مذاق اُڑانا (۳) ناجائز حصول (۴) باپ کی داڑھی سے کھیلنا، چھوٹے کا بڑے آدمی سے اُلجھنا (۵) مذاق (۶) تکالیف (۷) مزید

بنیادی مقدمات

اقامتِ دین کے حوالے سے بحث کا آغاز کرنے سے پہلے ہم دو بنیادی مقدمات پر گفتگو کریں گے۔

پہلا مقدمہ:

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ یہ دو جملے ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ تاثر یا خیال عام کیا گیا ہے کہ یہ فکر گزشتہ صدی میں ایک خاص نقطۂ نظر[۱] کی عکاس ہے جو مجموعی طور پر قریب قریب "بدعی تصور"[۲] ہے۔ کیونکہ اسلام یا دین کے لیے "نظام" کا لفظ استعمال کرنا "ایجادِ نو"[۳] ہے۔ جس کا تذکرہ ہمیں اسلاف کی کتب میں کہیں نہیں ملتا۔ مزید یہ کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ ایسا دعویٰ بھی اغیار کی دیکھا دیکھی کیا گیا ہے جس میں بے جا کھینچ تان کر کے اسلام کو نظاموں کی بحث میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ اور اس پر جلتی پر تیل کا کام کیا ہے، اس فکر نے کہ یہ اپنا غلبہ بھی چاہتا ہے۔ اسلامی تحریکوں میں تشدد اور ہیجانیت کا رجحان دراصل اسی جملے کی پیداوار ہے۔ یعنی سادہ الفاظ میں اس کے برعکس بعض لوگوں کے خیال میں اسلاف کے ہاں حقیقت کچھ یوں ہے کہ "اسلام نہ ایک نظامِ زندگی ہے اور نہ یہ مکمل ضابطۂ حیات ہے اور نہ یہ اپنا غلبہ چاہتا ہے بلکہ مغلوبیت کی حالت میں کسی بھی نظام زندگی کے ساتھ رہ سکتا ہے اور اس کا اصل مطمحِ نظر[۴] فرد کی اصلاح اور اُخروی نجات ہے، جس کا کوئی تعلق غلبۂ اسلام کی جدوجہد سے نہیں بنتا، فرد کے لیے اسلام کا تعبدی[۵] پہلو اور تزکیۂ نفس کی منازل طے کرنا ہی صرف ضروری ہے اور بس، اور یہ کہ فرد کو اسلام کے غلبہ کی فکر میں الجھانا، سیاست میں دھکیلنا ہے" اور اگرچہ یہ بات اس طرح واشگاف[۶] الفاظ میں کہنا مشکل ہے مگر تقریباً مفہوم یہی ہوتا ہے یا اس سے کم تر کچھ یہ کہ "اسلام ہے تو مکمل ضابطۂ حیات، لیکن یہ اپنا

(۱) اندازِ فکر (۲) نیا تصور (۳) نئی بات (۴) مرکزِ نگاہ، اصلی مقصد (۵) عبادت سے متعلق سوچ۔ رائے (۶) کھلا، ظاہر

غلبہ نہیں چاہتا اور غلبہ والی فکر دراصل متشددانہ[1] ہے، اور اس سے کم تر یہ کہ اسلام ہے تو مکمل ضابطۂ حیات اور یہ اپنا غلبہ بھی چاہتا ہے مگر غلبہ کی یہ جدوجہد لازم نہیں بلکہ ایک اضافی نیکی ہے جو کرے گا وہ "مقامِ عزیمت"[2] پالے گا۔ اور جو نہیں کرے گا، کم از کم اللہ کے ہاں اس کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ اور اس سے بھی کم تر یہ کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات بھی ہے اور اپنا غلبہ بھی چاہتا ہے، مگر یہ صرف علماء کے کرنے کا کام ہے جس میں خواہ مخواہ عوام کو پابند کر دیا گیا ہے اور ان سب پر لازم کر کے اس کام کو بے جا اہمیت دی گئی ہے۔ اور اس سے بھی کم تر یہ کہ "غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ علمی اور سیاسی۔ پس علمی غلبہ تو اسلام کو ہر دور میں حاصل رہا ہے الحمدللہ، باقی رہا سیاسی غلبہ تو اس کے ہم مکلّف[3] نہیں ہیں یا پھر یہ ایک خاص قیادت کے ہاتھوں ایک خاص دور میں ہوگا۔ جس کی تیاری کی بھی چنداں[4] ضرورت نہیں۔ اس سے بھی ایک درجہ نیچے یہ کہ "خلافت موعود"[5] ہے جو ایمان اور عمل صالح کے تقاضوں کو پورا کرنے پر بطور انعام ملے گی، پس موعود کی جدوجہد کیسی اور کیونکر؟ (جنت بھی موعود ہے۔ تو کیا اس کی جدوجہد بھی ضروری نہیں) لیکن ایمان اور عملِ صالح کے تقاضوں کو پورا کرنے پر ملنے والے اس انعام میں "اعمالِ صالحہ" کا جو تصور ہے اس میں غلبۂ اسلام کی جدوجہد جس کا جامع عنوان "جہاد فی سبیل اللہ" ہے کوئی "عملِ صالح" نہیں ہے۔ اور اس کے بالکل برعکس یہ کہ چونکہ ، گذشتہ سوا سو سال سے چلنے والی تقریباً تمام تحریکات کو اس راہ میں کامیابی نہ مل سکی۔ پس ایں خیال است و محال است و جنوں۔[6] اور محض اصلاحِ فرد اور دعوتِ دین کا کام ایک خاص ڈھنگ سے لازم ہے۔ ذیل میں ہم ان ابحاث[7] کو مختصراً دیکھتے ہیں۔

تصوّرِ دین کی بحث:

کیا اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے؟ کیا نظامِ حیات کا تصور نرالا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ "نظامِ حیات" یا "ضابطۂ حیات" کے الفاظ اسلام کی جامعیت (۸) کو تعبیر کرنے لیے دورِ حاضر کی ضرورت ہیں اور اسلاف کے ہاں یہ الفاظ نہیں ملتے۔ گویا یہ تعبیر جدید ہے، مگر سوال

(۱) سخت (۲) اعلیٰ مقام (۳) ذمہ دار (۴) اس قدر (۵) جس کا وعدہ کیا گیا ہو (۶) یہ خیال ہے، محال ہے اور جنون ہے یعنی یہ انہونی بات ہے۔ (۷) بحث کی جمع (۸) تمام پہلوؤں پر مشتمل ہونا

یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تعبیرِ جدید کی بنیاد میں حقیقتِ واقعی کے اعتبار سے کچھ دلائل بھی ہیں یا اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کی بنیادیں نہ قرآن میں ہیں نہ حدیث میں، نہ کتب فقہ میں اور یہ تصور ہی سرے سے نرالا و جدید ہے۔ ذیل میں ہم ان دلائل کا انتہائی اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: قرآن مجید میں، عقائد، عبادات، اخلاقیات کے ساتھ معاملات کا ذکر بھی ہے جن میں عائلی معاملات، (نکاح، طلاق، خلع وغیرہ کا ذکر بھی ہے) معاشرتی معاملات کا تفصیلی ذکر موجود ہے، جو سورۃ البقرۃ، النساء، المائدۃ، النور، الاحزاب، المجادلہ، التحریم و الممتحنہ وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ معاشی معاملات، میں سود، اکلِ حلال، دَین[1]، جوا، حرام ذرائع آمدن سے روکنا وغیرہ، سورۃ البقرہ، آلِ عمران، النساء، المائدہ اور التوبۃ وغیرہ میں بیان ہوئے ہیں۔ اور سیاست سے متعلق ہدایات، المائدہ، یوسف، النساء، الحجرات وغیرہ میں پھیلی ہوئیں ہیں۔ (تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے)

دوسری دلیل: احادیثِ مبارکہ میں قرآن مجید کی اصولی تعلیمات کی مزید شرح آگئی ہے، چنانچہ کتبِ احادیث میں، عقائد، احکام، رقاق[2]، آدابِ طعام و شرب، تفسیر و تاریخ و سیرت، قیام و قعود سفر، مناقب و مثالب[3] اور اشراط و فتن[4] جیسے مضامین ابواب کی شکل میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے۔

تیسری دلیل: قرآن وحدیث کی بنیاد پر علماء نے علمِ فقہ مرتب کیا جس کے بنیادی مضامین میں، عقائد، اخلاق اور اعمال سب کچھ شامل تھا اور جناب حضرت امام ابوحنیفہ ﷫ سے منسوب علم فقہ کی تعریف میں اس جامعیت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ کہ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا۔ پھر رفتہ رفتہ "عقائد" علم الکلام، اور "اخلاق" علمِ تصوف کے عنوان سے مرتب ہوئے اور علمِ فقہ "قانون" کے معنیٰ میں رہ گیا جس میں بنیادی طور پر دو مضامین رہ گئے۔

(i) عبادات (ii) معاملات

(۱) قرض (۲) مزاج کی نرمی (۳) خوبیاں اور خرابیاں (۴) نشانیاں اور آزمائشیں

عبادات: عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور ان سے متعلق احکامات شامل ہیں اور یہ وہ سب کچھ ہیں جن کا براہِ راست مقصد اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔

معاملات: معاملات سے مراد دو یا دو سے زیادہ افراد کا باہمی لین دین ہے، گویا یہ افراد کے مابین یا گروہوں کے مابین ہوتا ہے اور ان سے متعلق احکام شریعت کی تفصیل فقہ کے اس حصہ کا موضوع ہے۔ اس حصے کی تقسیم دو طرح سے ہوتی ہے۔

1۔ فقہ کے وہ احکامات جو فرد سے متعلق ہوں۔ مثلاً احوالُ الشخصیہ / فِقہُ الاسرہ (عائلی قوانین: Family Laws) یہ وہ احکامات ہیں جن کا تعلق خاندان کے تشکیل پانے، ان کے مابین تعلقات وغیرہ سے ہوتا ہے۔ جیسے شادی بیاہ، طلاق، نسب، نان ونفقہ اور میراث وغیرہ۔ (اگرچہ ان میں سے بھی بعض امور ایسے ہیں جو ریاست کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے)۔

2۔ فقہ کے وہ احکامات جن پر عمل ریاست کے بغیر ممکن نہ ہو۔ مثلاً

(i) الاحوال المدنیہ/فقہُ المدَنی (دیوانی قوانین: Civil Laws) یہ وہ احکامات ہیں جن کا تعلق آپس کے معاملات لین دین وغیرہ سے ہوتا ہے۔ جیسے خرید وفروخت، کرایہ داری، رہن، کفالت، قرض کے لین دین اور لازمی امور کی دیانت سے بجا آوری وغیرہ۔

(ii) الاحکام الجنائیۃ/فقہ الجنائی (فوجداری قوانین: Criminal Laws) یہ وہ احکام ہیں جن کا تعلق کسی مکلّف شخص سے سرزد ہونے والے جرم سے متعلق ہوتا ہے۔ ان احکام سے مقصود، لوگوں کی جان، مال، آبرو اور حقوق کی حفاظت اور امن وامان کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ حدود وتعزیرات کا قیام بغیر ریاست کے ممکن نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آج بھی بڑے سے بڑے عالم ومفتی ریاست کے بغیر اسلام کے ان احکامات کی تعمیل کی اجازت نہیں دیتے۔

(iii) الاحکامُ المرافقات/قانون ضابطہ (عدالتی کاروائیوں کے احکام: Procedural Laws) فقہ میں اسے "ادب القاضی" کے نام سے یاد کیا جاتا

ہے۔ ان احکامات کا تعلق عدالتی فیصلے، دعوے، گواہوں، قسم، قرائن[1] سے کسی چیز کے تعین اور اثبات سے ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے بغیر اسلامی ریاست کے عدالتی نظام قائم نہیں ہوسکتا اور ان امور پر عمل کہاں ممکن ہوسکتا ہے۔

(iv) الاحکام الدستوریہ: (آئین Constitutional Laws) وہ احکام جن کا تعلق نظامِ حکومت اور اس کے اصول وضوابط سے ہے، ان سے مقصود حاکم ورعایا کے مابین تعلقات کا تعین اور افراد وجماعتوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرنا ہوتا ہے۔

(v) الاحکام الدّولیہ: (بین الاقوامی تعلقات کے احکام: International Laws) وہ احکامات جن کا تعلق، اسلامی ریاست اور دیگر ریاستوں کے درمیان، امن، جنگ اور غیر مسلم شہریوں کے مسلمان ریاست کے تعلقات کے تعین سے ہوتا ہے۔ جہاد اور بین الاقوامی معاہدے اسی ذیل میں آتے ہیں۔

ہم نے ان چند شعبوں کا ذکر بطور نمونہ کے کیا ہے ورنہ ان میں ذیلی شعبوں کی تفصیل بہت زیادہ ہے جن کی تفصیل کا نہ موقع ومحل ہے نہ ہی ہمارا مقصود۔

قدیم فقہاء کے ہاں فقہ کے مندرجہ بالا شعبہ جات ومضامین کا بیان کچھ یوں ملتا ہے۔ (یہاں بھی ہم چند نمونے ذکر کریں گے)

☆ فقہائے احناف میں علامہ ابن عابدین نے بحر الرائق کے شروع میں اُمورِ دین کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اعتقادات، عبادات، معاملات، مزاجر[۲] اور آداب۔ پھر معاملات والے حصے کی مزید پانچ ابواب میں تقسیم کی ہے۔ معاوضات مالیہ، مناکحات، مخاصمات، امانات، ترکات اور مزاجر۔

☆ فقہائے شافعیہ کے ہاں احکامِ شرعیّہ کی تقسیم کچھ ایسے ہے کہ، (1) اگر وہ احکامات شرعیّہ آخرت کے متعلق ہیں تو "عبادات" کہلائیں گے (2) اگر وہ احکاماتِ شرعیّہ اُمورِ دنیا سے متعلق ہیں تو ان کی تین قسمیں ہیں۔ (الف) اشخاص کی بقاء سے متعلق .... معاملات کہلاتے ہیں۔ (خرید و فروخت، اجارہ و رہن[۳] وغیرہ)۔

---

(۱) آثار (۲) تنبیہات (۳) گروی

(ب) خاندان اور اس کی بقاء[1] سے متعلق ہوں تو مناکحات[2] کہلاتے ہیں۔ (نکاح و طلاق وغیرہ)۔(ج) اور اگر پوری آبادی کی بقاء سے متعلق ہوں تو 'عقوبات'[3] کہلاتے ہیں۔ جیسے قصاص وسزا وتعزیرات وغیرہ)

☆ امام ابواسحاق الشاطبیؒ نے "الموافقات فی اصول الشریعۃ" کے شروع میں مقاصد شریعہ کے حوالے سے دین کے وہ ضروری احکام جن پر دین و دنیا کی مصلحتوں کا انحصار ہے کو اس طرح لکھا ہے:

(i) عبادات: جیسے نماز، روزہ وغیرہ

(ii) عادات: جیسے، ماکولات، مشروبات، ملبوسات اور مسکونات[4] کے احکام وغیرہ

(iii) معاملات: جس سے مقصود نسل ونفس اور مال کی حفاظت ہے۔

(iv) جنایات: جن سے مقصود وہ احکام ہیں جن کا اجراء اس شخص پر ہوگا جو احکامِ بالا کو توڑے، جیسے قصاص، حدود وتعزیرات۔

مزید یہ کہ مقاصد شریعہ میں پانچ چیزوں کا تحفظ بہت ضروری ہے اور واقعہ یہ ہے کہ صرف ان کو سامنے رکھیں تو نظامِ اسلامی کا پورا خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ مقاصد شریعت بنیادی طور پر پانچ ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

1۔ تحفظِ دین　　2۔ تحفظِ جان　　3۔ تحفظِ عقل

4۔ تحفظِ نسل　　5۔ تحفظِ مال

پھر ان مقاصد شریعہ کی تین سطحیں علماء کرام نے بیان کی ہیں:

1۔ ضروریات　　2۔ حاجیات　　3۔ تحسینیات

انہی تفصیلات کو نئے انداز سے مرتب کر کے بعد ازاں اسلام کا معاشی نظام، معاشرتی نظام اور سیاسی نظام کے عناوین سے کتب لکھی گئیں اور دیگر نظاموں سے اس کا تقابل بھی کیا گیا۔ گویا اس طرح اسلامی نظامِ حیات کی یہ تعبیر سامنے آئی جسے اسلام کا نظامِ حیات کہا گیا۔

---

(۱) تحفظ، پائیداری　(۲) شادی بیاہ کے امور　(۳) سزائیں　(۴) رہائش گاہیں

دوسرا مقدمہ:

کیا اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے؟

کیا اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے؟ یا ایک مخصوص سیاسی دور میں ایک خاص سیاسی پس منظر کے تحت یہ نقطۂ نظر پروان چڑھا کہ اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اور کیا یہ حقیقت صرف نظری و علمی غلبہ تک ہے یا اسلام سیاسی اور حکومتی سطح پر بھی اپنا غلبہ چاہتا ہے؟ پھر کیا یہ سیاسی غلبہ تو دورِ نبوی ﷺ تک محدود تھا (جو آنحضور ﷺ کی خصوصی ذمہ داری تھی) یا پھر حضرت مہدی ؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے پر ہی ہوگا؟ پھر یہ کہ امتِ مسلمہ کی اسلام کے سیاسی غلبہ کے لیے جدوجہد بے اصل ہے۔ اور یہ کہ جب خلافت موعود ہے تو اس کی جدوجہد کیسی اور کیونکر؟ یا پھر بالفاظ دیگر اسلام کے غلبہ کی جدوجہد ایک اضافی نیکی ہے۔ جو ہر مسلمان کے ذمہ لازم نہیں۔ اور یہ کہ اسلام کسی بھی نظام کے ساتھ حالت مغلوبیت میں رہ سکتا ہے؟ ان تمام سوالات کے جوابات ہم بجائے خود دینے کے (کہ ہماری کوئی حیثیت نہیں) اسلاف کے اقوال میں تلاش کرتے ہیں کہ اسلاف غلبۂ اسلام کے حوالے سے کیا رائے رکھتے تھے۔ سرِ دست ایک غلط فہمی کا ازالہ بہت ضروری ہے اور وہ یہ کہ شاید یہ سب کوششیں دیگر اقوام کی طرح صرف حصولِ اقتدار یا حکومت حاصل کرنے کی کوشش ہے۔ اصلاً حکومت مطلوب نہیں بلکہ غلبۂ اسلام اور احکاماتِ اسلام کی تنفیذ کے لیے ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔

حکومت مقصودِ اصلی نہیں ہے:

"اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال، اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔"

(سورۃ بنی اسرائیل:80)

یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر، یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنا دے تا کہ اس کی طاقت سے

میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کرسکوں، فواحش اور معاصی [(۱)] کے اس سیلاب کو روک سکوں، اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کرسکوں۔ یہی تفسیر ہے اس آیت کی جو حسن بصری اور قتادہ رحمہا اللہ نے کی ہے، اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر رحمہا اللہ جیسے جلیل القدر مفسرین نے اختیار کیا ہے، اور اسی کی تائید میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ [(۲)]

"اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدباب [(۳)] کردیتا ہے جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا"

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہوسکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جبکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سکھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت اور اِجرائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مندوب [(۴)] ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لیے حکومت کا طالب ہو۔ رہا اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہونا تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ اللہ کی بندگی ہی کا عین تقاضا ہے۔ اگر جہاد کے لیے تلوار کا طالب ہونا گناہ نہیں ہے تو اِجرائے احکامِ شریعت کے لیے سیاسی اقتدار کا طالب ہونا آخر کیسے گناہ ہوجائے گا؟ پس معلوم ہوا کہ حکومت از خود مطلوب و مقصود کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ اصل مقصود غلبۂ دین ہے جس کا ایک ذریعہ حکومت ہے۔

---

(۱) نافرمانیاں (۲) عقیدۃ المسلم فی ضوء الکتاب والسنۃ (یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے) (۳) قطعاً روک دینا (۴) مستحب، پسندیدہ

غلبۂ اسلام کے حوالے سے اکابر مفسرین کے اقوال

ہم اس ضمن میں اکابر مفسرین کے اقوال نقل کیے دیتے ہیں تاکہ صورتِ مسئلہ واضح ہو جائے۔ الحمدللہ ان اقوال میں ان تمام پہلوؤں کے جوابات آگئے ہیں اور علمی اور سیاسی غلبہ کی وضاحت بھی بخوبی آگئی ہے۔

1۔ ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لِيُعْلِيَ الْاِسْلَامَ عَلَى الْمِلَلِ كُلِّهَا (ابن جریر، ج 01، سورۃ التوبۃ:33)

ترجمہ: تاکہ وہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرے۔

2۔ جارُاللہ زمخشری (صاحبِ کشاف) لکھتے ہیں۔

لِيُظْهِرَ الدِّيْنَ الْحَقَّ عَلٰى كُلِّ دِيْنٍ۔ (کشاف، ج 02 سورۃ التوبۃ:33)

ترجمہ: تاکہ وہ غالب کردے دین حق کو ہر دین پر

3۔ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

لِيُعْلِيَهٗ عَلٰى كُلِّ الْاَدْيَانِ۔ (قرطبی، سورۃ الفتح)

ترجمہ: تاکہ وہ اس دین کو سارے ادیان پر غالب کرے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ سورۃ التوبہ کی آیت 33 کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ سے مراد حضور نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ بِالْهُدٰى یعنی فرقان (قرآنِ مجید کے ساتھ۔ وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی دلائل اور براہین کے ساتھ (تمام دینوں پر اس دین حق کو غالب کردے) تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کے شرائع (اور احکام پر غالب کردیا یہاں تک کہ آپ پر ان میں سے کوئی شے مخفی نہ رہی یہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا

ہے: لِيُظْهِرَهٗ یعنی تاکہ وہ دینِ اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ضحاک رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا۔ اور سدی رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ امام مہدی رحمہ اللہ کے خروج کے وقت ہوگا' اس وقت کوئی باقی نہیں رہے گا مگر یہ کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائے گا یا پھر جزیہ ادا کرے گا۔

(یہ سیاسی غلبہ کی طرف واضح اشارہ ہے)

4۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اسلام کے علمی و سیاسی غلبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

فَقَدْ اَظْهَرَ اللّٰهُ رَسُوْلَهٗ عَلَى الْاَدْيَانِ كُلِّهَا بِاَنْ اَبَانَ لِكُلِّ مَنْ سَمِعَهٗ اَنَّهُ الْحَقُّ وَمَا خَالَفَهٗ مِنَ الْاَدْيَانِ بَاطِلٌ

(معالم التنزیل للبغوی ج 4 ص 40 تفسیر التوبہ آیت 41)

"اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام ادیان پر غالب کر دیا ہے اور وہ اس طرح کہ اس نے اپنے ہر سننے والے پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ اسلام حق ہے اور باقی سب ادیان باطل ہیں۔"

5۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تفسیر دُرِّ منثور میں لکھتے ہیں۔

"اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔"

(تفسیر درمنثور سورۃ التوبہ آیت 33)

6۔ تفسیر تیسیرُ القرآن میں مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد اسلام کی نظریاتی اور سیاسی بالادستی: اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے رسول اس لیے بھیجا ہے کہ ساری دنیا کو مسلمان بنا کے چھوڑے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ دنیا میں جو جو دین یا نظام ہائے زندگی رائج ہیں ان سب پر بلحاظِ عقل اور دلیل و حجت اسلام کی بالادستی قائم ہو جائے۔ مثلاً دورِ نبوی ﷺ میں یہودیت ایک دین تھا۔ عیسائیت، مجوسیت، منافقت، صائبیت، مشرکین کا دین، ان سب ادیان کے عقائد الگ الگ تھے۔ اور انہی عقائد کی مناسبت سے ان کا پورے کا پورا نظامِ زندگی ترتیب پاتا تھا۔ رسول کی

بعثت کا مقصد اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ان تمام باطل ادیان کے نظام ہائے زندگی پر اسلام کی برتری اور بالادستی قائم کر دے۔ اور عقل اور دلیل و حجت کے لحاظ سے اسلام کی یہ برتری اور بالادستی آج تک قائم ہے۔ بیرونِ عرب ادیانِ باطل کی مثالیں۔ ہندوازم، سکھ ازم، بدھ ازم، جمہوریت اور اشتراکیت وغیرہ ہیں۔ ایسے سب ادیان پر اسلام کی برتری اور بالادستی کو بدلائل ثابت کرنا علمائے اسلام کا فریضہ ہے۔ یہ تو نظریاتی برتری ہوئی۔ اور سیاسی برتری کے لحاظ سے بھی اللہ نے اسے کئی صدیوں تک غالب رکھا۔ بعد میں جب مسلمانوں میں اخلاقی انحطاط اور انتشار رونما ہوا تو مسلمانوں سے یہ نعمت چھین لی گئی۔

اور اس کا اصول یہ ہے کہ جب تک اور جہاں تک مسلمان اپنے نظامِ زندگی اسلامی نظریات کے مطابق ڈھالیں گے اسی حد تک مسلمانوں کو غیر مسلم اقوام پر سیاسی بالادستی اور برتری حاصل ہوگی جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں بالقوۃ یہ استعداد موجود ہے کہ وہ سیاسی طور پر بھی تمام غیر مسلم اقوام اور نظریات پر غلبہ حاصل کرے۔ اگرچہ مسلمانوں کی عملی کوتاہیوں کی وجہ سے یہ استعداد بالفعل منظر عام پر نہ آسکتی ہو۔

(تفسیر تَیسِیرُ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت 33)

7۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(چنانچہ) وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے۔ گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔) (تفسیر بیان القرآن، سورۃ التوبہ، آیت 33)

8۔ علامہ رشید رضا رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْاِسْتِعْلَاءُ هُنَا بِالْعِلْمِ وَالْحُجَّةِ اَوِ السِّيَادَةِ وَالْغَلَبَةِ اَوِ الشَّرَفِ وَالْمَنْزِلَةِ اَوْبِهَا كُلِّهَا وَهُوَ الْمُخْتَارُ وَ اِنْ كَانَ الْوَعْدُ يَصْدُقُ بِبَعْضِهَا وَ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ تَعَالٰى يُعْلِيْ هٰذَا الدِّيْنَ وَيَرْفَعُ شَانَهٗ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَدْيَانِ بِالْحُجَّةِ وَالْبُرْهَانِ وَ كَذَا السِّيَادَةِ وَ السُّلْطَانِ وَلَمْ يَكُنْ لِدِيْنٍ مِنَ الْاَدْيَانِ مِثْلَ هٰذَا التَّاثِيْرُ الرُّوْحِيُّ وَ الْعَقْلِيُّ وَالْمَادِيُّ

وَالْاِجْتِمَاعِیِّ وَالسِّیَاسِیِّ اِلَّا لِلْاِسْلَامِ وَحْدَہٗ۔

(تفسیر المنار۔ج 1 ص 390-391)

ترجمہ: غلبہ علم و دلیل کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، سیادت و حکومت کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے شرف و منزلت کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور ان تمام صورتوں میں بھی ہوتا ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ سب مراد لیے جائیں۔ اگرچہ غالب کرنے کا وعدہ ان میں سے کسی ایک کے ذریعے بھی سچا ثابت ہو جاتا ہے----- آیت کے معانی یہ ہیں کہ اللہ اس دین کو غالب کرے گا اور اس کی شان کو دوسرے سب ادیان پر بلند کرے گا حجت و برھان کے اعتبار سے بھی اور سیادت و حکومت کے اعتبار سے بھی۔ تمام ادیان میں سے کسی بھی دین کو وہ، روحانی، عقلی، مادی، تمدنی اور سیاسی اثرات حاصل نہیں جو تنہا اسلام کو حاصل ہیں۔

9- قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَ الظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالظُّهُوْرِ غَلَبَةِ دِيْنِ الْحَقِّ عَلَى الْاَدْيَانِ كُلِّهَا فِيْ اَغْلَبِ الزَّمَانِ .... وَقَدْ اَنْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ حَتّٰى اِنْقَادِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ اَهْلِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا فِيْ اَكْثَرِ الْاَقْطَارِ وَاَغْلَبِ الزَّمَانِ وَلَا يَقْتَضِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَابِيْدَ هٰذِهِ الْحَالَةِ۔

(تفسیر مظہری، سورۃ التوبہ، آیت 33)

ترجمہ: میں تو کہتا ہوں کہ ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ ظہور سے مراد دین حق کا دوسرے سب ادیان پر غلبہ اکثر اوقات کے اعتبار سے---- اللہ نے یہ وعدہ پورا کر دیا ہے کہ اکثر علاقوں اور اکثر زمانوں میں باطل ادیان کے لوگ مسلمانوں کے تابع رہے ہیں۔ اس آیت کا مقتضیٰ یہ نہیں کہ غلبہ کی یہ حالت ہمیشہ رہے گی۔

10۔ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَغَلَبَةَ الدِّيْنِ الْحَقِّ عَلٰى سَائِرِ الْاَدْيَانِ تَكُوْنَ وَ عَلٰى تَزَايُدَ اَبَدًا

وَتَتِمُّ عِنْدَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(تفسیر روح البیان ج 3 ص 614)

"دین حق کا غلبہ باقی سب ادیان پر ہمیشہ کے لیے بڑھتا رہے گا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت پورا ہو جائے گا۔"

اقامتِ دین کا مفہوم:

اقامتِ دین کی اصطلاح دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک "اقامت" دوسرا "دین" اقامت کا لفظ جب کسی ٹھوس چیز کے لیے بولا جائے تو اس وقت اُس کے معنی سیدھا کر دینے کے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ط (الکھف: 77)

ترجمہ: وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ (خضر علیہ السلام نے) اس دیوار کو پھر سے قائم کر دیا۔

اور جب کسی ٹھوس چیز کے بجائے معنوی اشیاء کے لیے بولا جاتا ہے تو اس وقت اس کا مفہوم پورا پورا حق ادا کر دینے کا ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ متعلقہ کام کو پوری توجہ اور کامل اہتمام کے ساتھ بہترین شکل میں انجام دے دیا جائے۔

☆ چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

اِقَامَةُ الشَّيْءِ تَوْفِيَتُهٗ حَقِّهٖ، وَ قَالَ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ... اَيْ تُوَفُّوْنَ حُقُوْقَهَا بِالْعِلْمِ وَ الْعَمَلِ------

ترجمہ: کسی چیز کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حقوق اچھی طرح پورے کر دیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو اے اہل کتاب تم کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل کو قائم نہ کر لو۔ یعنی جب تک علمی اور عملی حیثیتوں سے ان کے حقوق ادا نہ کر دو۔ (مفردات القرآن)

☆ ابو احمد بن علی الرازی الجصاص ﷫، (370ھ) نے "احکام القرآن" میں سورۃ الشوریٰ کی آیت 13 کے ذیل میں اس کی لغوی تشریح یوں فرمائی ہے۔

وَالْإِقَامَةُ فِي الْمَكَانِ الثَّبَاتُ وَإِقَامَةُ الشَّيْءِ: تَوْفِيَةُ حَقِّهِ، وَقَالَ:
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (المائدہ:68)

أَيْ: تُوَفُّوْنَ حُقُوْقَهُمَا بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، وَكَذٰلِكَ
قَوْلُهُ: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (المائدہ/66)

وَلَمْ يَأْمُرْ تَعَالٰى بِالصَّلَاةِ حَيْثُمَا أَمَرَ، وَلَا مَدَحَ بِهٖ حَيْثُمَا مَدَحَ إِلَّا بِلَفْظِ الْإِقَامَةِ، تَنْبِيْهًا إِنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْهَا تَوْفِيَةُ شَرَائِطِهَا لَا الْإِتْيَانُ بِهَيْئَاتِهَا،

نَحْوُ: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (البقرۃ/43) فِيْ غَيْرِ مَوْضِعٍ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ (النساء:162)

وَقَوْلُهُ: وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (النساء:142)

فَإِنَّ هٰذَا مِنَ الْقِيَامِ لَا مِنَ الْإِقَامَةِ، وَأَمَّا قَوْلُهُ:
رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ (ابراہیم:40)

أَيْ: وَفِّقْنِيْ لِتَوْفِيَةِ شَرَائِطِهَا،
وَقَوْلُهُ: فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (التوبۃ:11)

فَقَدْ قِيْلَ: عُنِيَ بِهٖ إِقَامَتُهَا بِالْإِقْرَارِ بِوُجُوْبِهَا لَا بِأَدَائِهَا، وَالْمُقَامُ

يُقَالُ لِلْمَصْدَرِ، وَالْمَكَانِ، وَالزَّمَانِ، وَالْمَفْعُوْلِ، لٰكِنَّ الْوَارِدَ فِي الْقُرْاٰنِ هُوَ الْمَصْدَرُ

نَحْوُ قَوْلِهٖ: اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (الفرقان:66)
وَالْمُقَامَةُ الْإِقَامَةُ،
قَالَ: الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر:35)
نَحْوُ: دَارُ الْخُلْدِ (فصلت:28)، فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ (التوبۃ:72)
وَقَوْلُهُ: لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (الأحزاب:13)
مِنْ قَامَ، أَيْ: لَا مُسْتَقَرَّ لَكُمْ، وَقَدْ قُرِئَ: لَا مُقَامَ لَكُمْ
(1) مِنْ أَقَامَ۔ وَيُعَبَّرُ بِالْإِقَامَةِ عَنِ الدَّوَامِ۔
نَحْوُ: عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (ہود:39)
وَقُرِئَ: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (الدخان:51)
(2) أَيْ: فِيْ مَكَانٍ تَدُوْمُ إِقَامَتُهُمْ فِيْهِ، وَتَقْوِيْمُ الشَّيْءِ: تَثْقِيْفُهُ،
قَالَ: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین:4)

وَذٰلِكَ إِشَارَةٌ إِلٰى مَا خُصَّ بِهِ الْإِنْسَانُ مِنْ بَيْنِ الْحَيَوَانِ مِنَ الْعَقْلِ وَالْفَهْمِ وَانْتِصَابِ الْقَامَةِ الدَّالَّةِ عَلٰى اسْتِيْلَائِهٖ عَلٰى كُلِّ مَا فِيْ هٰذَا الْعَالَمِ۔

الاقامة:

ترجمہ: (انفعال) فی المکان کے معنی کسی جگہ پر ٹھہرنے اور قیام کرنے کے ہیں اور اقامۃ الشی (کسی چیز کی اقامت) کے معنی اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کے ہوتے ہیں چنانچہ قرآن پاک میں ہے:-

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ (المائدہ:68)

کہو کہ اے اہل کتاب جب تک تم توراۃ اور انجیل ..... کو قائم نہ رکھو گے کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے یعنی جب تک کہ علم و عمل سے ان کے پورے حقوق ادا نہ کرو۔ اسی طرح فرمایا:- وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (المائدہ:66) اور اگر وہ توراۃ اور انجیل کو......... قائم کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یا نمازیوں کی تعریف کی گئی ہے وہاں اقامۃ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ نماز سے مقصود محض اس کی ظاہری ہیئت کا ادا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اسے جملہ شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہے اسی بنا پر کئی ایک مقام پر اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور اَلْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ کہا ہے۔ اور آیت کریمہ:- وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (النساء: 142) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر، میں قاموا اقامۃ سے نہیں بلکہ قیام سے مشتق ہے (جس کے معنی عزم اور ارادہ کے ہیں) اور آیت:- رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ (ابراھیم:40) اے پروردگار مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں، میں دعا ہے کہ الٰہی مجھے نماز کو پورے حقوق کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور آیت کریمہ:- فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ (التوبۃ:11) پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے ...... لگیں، کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں اقامۃ سے نماز کا ادا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کے معنی اس کی فرضیت کا اقرار کرنے کے ہیں۔ **المقام:** یہ مصدر میمی، ظرف مکان، ظرف زمان

اور اسم مفعول کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآنِ پاک میں صرف مصدر میمی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:- اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا (الفرقان: 66) اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔ اور مقامۃ (بضم المیم) معنی اقامۃ ہے جیسے فرمایا: الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر:35) جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے گھر میں اتارا یہاں جنت کو دار المقامۃ کہا ہے جس طرح کہ اسے دار الخلد اور جنّاتِ عدن کہا ہے۔ اور آیت کریمہ:- لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (الأحزاب:13) یہاں تمہارے لئے (ٹھہرنے کا) کوئی مقام نہیں ہے تو لوٹ چلو۔ میں مقام کا لفظ قیام سے ہے یعنی تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور ایک قرأت میں مقام (بضم المیم) اقام سے ہے اور کبھی اقامۃ سے معنی دوام مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:- عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (ھود:39) ہمیشہ کا عذاب۔ اور ایک قراءت میں آیت کریمہ:- اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (الدخان: 51) بیشک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔ مقام بضمہ میم ہے۔ یعنی ایسی جگہ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ تقویم الشئ کے معنی کسی چیز کو سیدھا کرنے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:- لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین:4) کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا۔ اس میں انسان کے عقل و فہم قد و قامت کی راستی اور دیگر صفات کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعہ انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اور وہ اس کے تمام عالم پر مستولی[1] اور غالب ہونے کی دلیل بنتی ہیں۔

دین: (د + ی + ن = دین)

اَلدِّيْنِ کے معنی اطاعت اور جزا کے آتے ہیں اور دین ملت کی طرح ہے لیکن شریعت کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لحاظ سے اسے دین کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:-

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:19)

(۱) غلبہ پانے والا، چھایا ہوا

"دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔" (تفسیر احکام القرآن للجصاص، سورۃ الشوریٰ 13)

دین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مختصراً یہ چار معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(1) اللہ کی کامل اور مکمل سیاسی اور قانونی حاکمیت

(2) انسان کی مکمل عبودیت اور بندگی

(3) قانونِ جزا و سزا یا تعزیراتِ ملکی

(4) قانونِ جزا و سزا کے نفاذ کی قدرت

پھر یہ لفظ کبھی ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زیادہ معنوں میں۔ اب دین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو کچھ باتوں کا حکم دے، کچھ کاموں سے منع کرے اور جو شخص ان احکام کے مطابق عمل کرے انہیں اچھا بدلہ دے اور جو حکم عدولی کرے اسے سزا بھی دے۔ چنانچہ ایسے احکام جو سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ پر غیر مُتَبدّل[1] رہے ہیں یہی اصل دین ہے مثلاً شرک کی حرمت، آخرت اور اس کا محاسبہ، نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم، قتل ناحق، چوری، زنا اور فواحش سے اجتناب وغیرہ۔

(تشریح و توضیح از تفسیر تیسیر القرآن، مولانا کیلانی)

---

(1) جو تبدیل نہ کیا گیا ہو

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کے معروف تراجم

1۔ شاہ ولی اللہؒ (م 1176ھ) نے اَقِیْمُوا الدِّیْنَ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے ______ قائم کنید دین را (دین کو قائم کرو) (فتح الرحمٰن)

2۔ شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے ______ قائم رکھو دین کو

3۔ شیخ الہند محمود الحسنؒ کا ترجمہ ______ قائم رکھو دین کو (فوائد القرآن)

4۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ______ دین کو قائم کرو (آسان ترجمہ قرآن)

5۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ______ قائم کرو اس دین کو (تفہیم القرآن)

6۔ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم ______ قائم رکھو اس دین کو (تدبر قرآن)

7۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ ______ قائم کرو دین کو (بیان القرآن)

8۔ پیر کرم شاہ صاحب الازہریؒ ______ قائم رکھو اس دین کو (ضیاء القرآن)

9۔ مولانا سرفراز خان صفدرؒ ______ کہ قائم کرو تم دین کو (تفسیر ذخیرۃ الجنان)

10۔ مولانا عبدالرحمان کیلانیؒ ______ دین کو قائم رکھو (تیسیر القرآن)

11۔ مولانا عبدالحمید سواتیؒ ______ کہ قائم رکھو دین کو (معالم العرفان)

12۔ مولانا وحید الدین خانؒ ______ کہ دین کو قائم رکھو (تذکیر القرآن)

13۔ مفتی محمد شفیعؒ ______ کہ قائم رکھو دین کو (معارف القرآن)

14۔ مولانا عبدالحق حقانیؒ ______ کہ اسی دین پر قائم رہنا (تفسیر حقانی)

15۔ سید قطب شہیدؒ ______ کہ قائم کرو اس دین کو (ترجمہ فی ظلال القرآن)

16۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ ______ اسی دین کو قائم رکھنا (بیان القرآن)

17۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ ______ کہ دینِ الٰہی قائم کرو (ترجمان القرآن)

18۔ پروفیسر احمد یارؒ ______ کہ تم لوگ قائم رکھو اس نظام حیات کو۔ (مطالعہ قرآن حکیم)

(سورۃ الشوریٰ کی آیت 13 کے حوالے سے مندرجہ بالا تمام تفاسیر دیکھیں)

أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ کی تفسیر میں متقدمین[1] و متأخرین[2] کے اقوال

1۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسے تاکیدی حکم دیا کہ وہ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کا اقرار کرے، یہی وہ دین ہے جو ان کے لیے مشروع کیا گیا، (یہی قول واسطی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا اور یہی قول کلبی کا بھی ہے)...... بحوالہ تفسیر قرطبی ج08)

2۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ 310ھ م لکھتے ہیں:

أَلَّذِيْ أَوْصٰى بِهٖ جَمِيْعَ هٰؤُلَاءِ الْأَنْبِيَاءِ وَصِيَّةٌ وَّاحِدَةٌ وَهِيَ إِقَامَةُ الدِّيْنِ

ان سب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے جو وصیت کی تھی وہ ایک ہی وصیت تھی اور وہ تھی اقامت دین کی وصیت۔ (تفسیر ابن جریر، الشوریٰ، آیت 13)

مزید فرماتے ہیں:

إِعْمَلُوْا بِهٖ عَلٰى مَا شَرَعَ لَكُمْ وَ فَرَضَ وَلَا تَخْتَلِفُوْا فِي الدِّيْنِ الَّذِيْ أُمِرْتُمْ بِالْقِيَامِ بِهٖ كَمَا اخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ قَبْلِكُمْ

اس پر عمل کرو جیسا کہ اللہ نے یہ تمہارے لیے مقرر کیا ہے اور اسے تم پر فرض کر دیا ہے اور اس دین میں اختلاف نہ کرو جسے قائم رکھنے کا تم کو حکم دیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلی قوموں نے اختلاف کیا۔ (جامع البیان عن تاویل القرآن سورۃ الشوریٰ آیت 13)

3۔ ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ م450ھ اپنی تفسیر "تفسیر الماوردی" میں فرماتے ہیں:

إِعْمَلُوْا بِهٖ، أُدْعُوْا إِلَيْهِ، جَاهِدُوْا عَلَيْهِ مَنْ عَانَدَهٗ اس دین پر عمل کرو، اس کی

(۱) پہلے زمانے کے لوگ (۲) اخیر زمانے کے لوگ

طرف دعوت دیتے رہو اور اس کے دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کرو (ج05)

4۔ ابن عربی (م547)، قرطبی (م671ھ)، ابوحیان اندلسی (م754ھ)، علامہ آلوسی (م1270ھ) اور مراغی (1952ء) سب نے یکساں الفاظ لکھے ہیں۔

اِجْعَلُوْهُ قَائِمًا أَيْ يُرِيْدُ دَائِمًا مُسْتَمِرًّا مَحْفُوْظًا مُسْتَقِرًّا مِّنْ غَيْرِ خِلَافٍ

"اس دین کو قائم و دائم اور جاری رکھو، محفوظ رکھو، برقرار رکھو اور اس میں اختلاف نہ کرو۔"

5۔ اس بات کی مزید تفصیل و وضاحت کہ اقامت دین سے کیا مراد ہے، قاضی ابوالسعود رحمہ اللہ (م951ھ)، شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ (م1137ھ)، اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ (م1270ھ) کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

وَالْمُرَادُ بِإِقَامَتِهٖ تَعْدِيْلُ أَرْكَانِهٖ وَ حِفْظِهٖ مِنْ أَنْ يَّقَعَ فِيْهِ زَيْغٌ وَ الْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهِ

"اقامتِ دین سے مراد ہے اس کے ارکان و احکام کو درست طریقے پر قائم رکھنا، خرابی اور کجی سے اس کی حفاظت کرنا اور ہمیشہ کے لیے اس کی پابندی کرنا۔"

6- علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ "تفسیر دُرِّ منثور" میں لکھتے ہیں:

ابن جریر رحمہ اللہ نے سدی رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ (آیت) "أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ" کہ اس دین کو قائم رکھنا یعنی اس پر عمل کرتے رہنا۔

عبد بن حمید رحمہ اللہ و ابن جریر رحمہ اللہ و ابن المنذر رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ "أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ" (کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا) یعنی تم جان لو کہ اِفتراق ہلاکت ہے اور جماعت میں اعتماد ہے۔ "كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ" (الشوریٰ:13) (مشرکین کو وہ بات بڑی بھاری گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں) یعنی مشرکین تکبر کرتے ہیں (یعنی نہیں مانتے) جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ابلیس اور اس کے لشکروں نے ان کو گمراہ کر دیا تا کہ ان کو جہنم میں اتار دے تو اللہ تعالیٰ نے انکار کیا مگر وہ اس کو نافذ کرے اور ان کی مدد کرے اور اس پر اسے غلبہ دے جو اس کا مقابلہ کرے

اور یہ ایک ایسا کلمہ ہے جس نے اس کی مدد کے ساتھ جھگڑا کیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے مدد طلب کی اس کے ذریعہ اس کی مدد کی گئی۔ (تفسیر دُرِ منثور الشوریٰ 13)

7- مدارک التنزیل میں احمد بن محمود النسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ (کہ تم اس دین کو قائم رکھنا) مراد اس سے دینِ اسلام کو قائم کرنا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت اور ایمان بالرسل اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور یومِ جزاء پر ایمان و دیگر تمام ضروریاتِ دین، جن کے قائم کرنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے، کا نام ہے۔

8- مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "تفسیر بیان القرآن" میں فرماتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا تھا (اور ان کی امم کو یہ کہا تھا کہ) اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں اللہ اپنی ہی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے۔ اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیتا ہے۔

ان کے فوائد میں لکھتے ہیں:

"مراد اس دین سے اصول دین ہیں جو مشترک ہیں تمام شرائع میں مثلِ توحید و رسالت و بعث وغیرہ۔ قائم رکھنا یہ کہ اس کو تبدیل مت کرنا، اس کو ترک مت کرنا، اور تفرق یہ کہ کسی پر ایمان نہ لاویں، یا کوئی ایمان لاوے کوئی نہ لاوے، حاصل یہ کہ توحید وغیرہ دین قدیم ہے کہ اوّل سے اس وقت تک تمام شرائع اس میں متفق رہی ہیں اور اسی کے ضمن میں نبوت کی بھی تائید ہوگئی، پس چاہیے تھا کہ اس کو قبول کرنے میں لوگوں کو ذرا پس و پیش نہ ہوتا۔" (بیان القرآن، الشوریٰ:13)

9- مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ "فوائد القرآن" میں رقمطراز ہیں:

یعنی سب انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دینِ الٰہی کو اپنے قول و عمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق و اختلاف کو روا نہ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی، الشوریٰ:13)

10- معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اقامتِ دین فرض اور اس میں تفرق حرام ہے"

اس آیت میں دو حکم مذکور ہیں، ایک اقامتِ دین۔ دوسرے اس کا منفی پہلو یعنی اس میں تفرق کی ممانعت۔ جبکہ جمہور مفسرین کے نزدیک اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ میں حرف "اَن" تفسیر کے لئے ہے تو دین کے معنی متعین ہوگئے کہ مراد وہی دین ہے جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک چلا آ رہا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دین مشترک بین الانبیاء علیہم السلام اُصولِ عقائد۔ یعنی توحید، رسالت، آخرت پر ایمان اور اُصولِ عبادات۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی ہے۔ نیز چوری، ڈاکہ، زنا، جھوٹ فریب، دوسروں کو بلا وجہ شرعی ایذاء دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیانِ سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔ اور یہ بھی نصِ قرآن سے ثابت ہے کہ فروع احکام میں انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں جزوی اختلاف بھی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (المائدۃ:48) اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملہ میں جس دین کی اقامت کا حکم اور اس میں تفرق کی ممانعت مذکور ہے وہ وہی احکامِ الٰہیہ ہیں جو سب انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔ انہیں میں تفرق و اختلاف حرام اور موجب ہلاکتِ اُمم ہے۔

حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا۔ پھر اس خط کے داہنے، بائیں دوسرے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ داہنے بائیں کے خطوط وہ طریقے ہیں جو شیاطین نے ایجاد کئے ہیں اور اس کے ہر راستہ پر ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو اس طرف چلنے کی تلقین کرتا ہے اور پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ۔ یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی کا اتباع کرو۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی۔ مظہری)

اس تمثیل میں صراطِ مستقیم سے وہی دینِ قیم کا راستہ مراد ہے جو سب انبیاء (علیہم السلام) میں مشترک چلا آیا ہے۔ اس کے اندر شاخیں نکالنا یہ تفرق حرام اور شیاطین کا عمل ہے۔ اور انہی

اجماعی اور متفق علیہ احکام میں تفرقہ ڈالنے کی شدید ممانعت احادیثِ صحیحہ میں آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد) یعنی جس شخص نے جماعتِ مسلمین سے ایک بالشت بھی جدائی اختیار کی اس نے اسلام کا حلقہ عقیدت اپنے گلے سے نکال دیا۔ اور ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ یَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ (رواہ الترمذی بسند حسن) یعنی اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر۔ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسانوں کے لئے بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کے گلے کے پیچھے بھیڑیا لگتا ہے، تو وہ اسی بکری کو پکڑتا ہے جو اپنے ریوڑ اور گلے سے پیچھے یا اِدھر اُدھر رہ جائے۔ اس لئے تمہیں چاہیے کہ جماعت کے ساتھ رہو علیحدہ نہ ہو۔ (رواہ احمد یہ سب احادیث تفسیر مظہری میں ہیں)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں حکم اس دین مشترک اور متفق علیہ کے قائم رکھنے کا ہے، جس پر تمام انبیاء (علیہم السلام) متفق اور مشترک چلے آئے ہیں۔ اس میں اختلاف کو تفرق کے لفظ سے تعبیر کر کے ممنوع کیا گیا ہے۔ انہی قطعی احکام میں اختلاف و تفرق کو احادیث مذکورہ میں ایمان کے لئے خطرہ اور سببِ ہلاکت فرمایا ہے۔

ائمۂ مجتہدین کے فروعی اختلافات تفرقِ ممنوع میں داخل نہیں:

اس سے واضح ہو گیا کہ فروعی مسائل میں جہاں قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں یا نصوصِ قرآن و سنت میں کوئی ظاہری تعارض[1] ہے۔ وہاں ائمۂ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کر لینا، جس میں باہم اختلاف ہونا، اختلاف رائے و نظر کی بنا پر لازمی ہے، اس تفرقِ ممنوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا اختلاف صحابہ کرام ؓ میں خود عہدِ رسالت سے چلا آیا ہے اور وہ باتفاقِ فقہاء رحمت ہے۔

اور اقامتِ دین سے مراد، اس پر قائم دائم رہنا، اس میں کسی شک و شبہ کو راہ نہ دینا، اور کسی حال اس کو نہ چھوڑنا ہے۔ (قرطبی) (تفسیر معارف القرآن، الشوریٰ:13)

11- ترجمان القرآن میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سورۂ الشوریٰ آیت ۱۳ میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کا نام لے کر بتا دیا کہ سب کو ایک

(۱) اختلاف

ہی دین دے کر بھیجا گیا تھا یہ دین محض چند اصول و عقائد ہی کا نام نہیں بلکہ اس میں شرائع کے بنیادی احکام بھی داخل ہیں جیسا کہ سورۃ البینہ میں فرمایا،

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

"یعنی انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دینِ قیم ہے"۔

(البیّنہ:5)

اسی طرح محرمات شرعیہ کو تکمیلِ دین قرار دیا ہے اور پھر آیت 29 سورۃ التوبہ میں اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ حلال و حرام کے احکام کو ماننا بھی دین میں داخل ہے اور سورۃ النور میں حدودِ الٰہیہ کے قیام کو دین قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فوجداری احکام بھی دین میں داخل ہیں۔

الغرض یہ "الدین" کا اجمالی خاکہ ہے جس کی طرف دعوت دینے اور اسے قائم کرنے کے لیے پیغمبر بھیجے گئے۔ نبی ﷺ بھی اسی دین کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے یہ دعوت، مشرکین پر گراں گزرتی، اس بنا پر کبھی تو وہ نبی ﷺ کی نبوت پر اعتراض کرتے اور کبھی مصالحت کا اظہار کر کے کچھ نرمی اختیار کرنے کو کہتے مگر نبی ﷺ استقامت کے ساتھ ان مخالفانہ حربوں کو برداشت کرتے رہے اور دین کے معاملہ میں کسی قسم کی رواداری اور مداہنت سے کام نہ لیا۔ (ترجمان القرآن، الشوریٰ:13)

12- ضیاء القرآن میں حضرت پیر کرم شاہ صاحب الازہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

پہلے اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور عظمت و کبریائی کا بیان ہوا۔ اب اس دینِ قیّم کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم صادر فرمایا جا رہا ہے جس کی تاسیس اور تکمیل کے لئے سارے اولوالعزم رسول مصروفِ جہاد رہے۔ شَرَعَ کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ شرع: سن: کوئی طریقہ مقرر کرنا۔ شَرَعَ: اَظْهَرَ، اَوْضَحَ وَبَيَّنَ۔ کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنا۔ اس کو یوں عیاں اور

آشکارا کرنا کہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش تک باقی نہ رہے۔

ارشاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جس کی جلالتِ شان کے تذکرے ہو رہے ہیں اسی نے اس دین کو تم پر واضح اور بیّن کر دیا جس کا حکم اس نے رسولِ اوّل حضرت نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس پر آپ ﷺ کو اے خاتم الانبیاء! بذریعہ وحی آگاہی بخشی ہے اور یہی وہ دین ہے جس کے بارے میں حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو وصیت فرمائی گئی تھی۔ سپہرِ رسالت کے یہی وہ درخشندہ وتابندہ مہر و ماہ ہیں جنہیں اولوالعزم رسول کے جلیل لقب سے نوازا گیا ہے۔ فرمایا پہلے اور آخری رسول اور مختلف دُہور[۱] وشُہور[۲] میں تشریف لانے والے یہ جلیل القدر رسول ایک ہی دین اور ایک ہی نظامِ حیات کے داعی اور مبلغ تھے۔ صرف داعی اور مبلغ ہی نہیں بلکہ اس کے مؤسّس اور اس کو پروان چڑھانے والے بھی تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے ایک دوسرے کی تکذیب نہیں کی اور اپنے اپنے دور میں علیحدہ ادیان قبول کرنے کے لئے نہیں کہا بلکہ ایک اور صرف ایک دین کے لئے کوشاں رہے۔

آیت کے اس حصے کا پہلے حصے سے کیا تعلق ہے، اس کے متعلق دو قول ہیں: یا تو یہ شرع کے مفعول کا بدل ہے۔ اس صورت میں یہ حکماً منسوخ ہوگا یا یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ کلام کے پہلے حصے کو سننے کے بعد یہ سوال دل میں کھٹکنے لگتا تھا کہ وہ کیا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان اولوالعزم رسولوں کو دیا تھا۔ فرمایا: "هُوَ اِقَامَةُ الدِّيْنِ" تو "اَنْ اَقِيْمُوْا" خبر ہے اور "هُوَ" محذوف مبتدا۔ اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ اس دین کو قائم کرو۔ لوگوں کی عملی زندگیوں میں اسے رائج کرو۔ تاکہ لوگوں کے اعمال اسی دین کے قالب میں ڈھل جائیں۔

"صرف زبانی دعوت دینا اور اس دعوت کے محاسن کو بیان کرتے رہنا ہی انبیاء کا فریضہ نہ تھا، بلکہ ان کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ جہاں یہ نظامِ حیات رائج نہیں وہاں اسے رائج کیا جائے اور جہاں یہ رائج ہے وہاں

(۱) دہر کی جمع، زمانہ (۲) شہر کی جمع

یہ اہتمام کیا جائے کہ یہ رواج پذیر رہے۔ ایسے عوامل اور محرکات سے اس کی پوری پوری حفاظت کی جائے جو اس کو عملی زندگی سے بے دخل کرنے پر منتج ہوں۔"

یہ نصب العین جو انبیاء و رسل کی عظیم البرکات زندگیوں کا نصب العین تھا، یہی نصب العین آج امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوات واجمل التسلیمات کے لئے من جانب اللہ مقرر کیا گیا ہے اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آراء و اہوا کا اتباع کر کے اپنی جمعیت کو انتشار کا شکار نہ بنا دیں اور ایک امت کو متعدد فرقوں میں بانٹ کر بے وقار نہ کر دیں کیونکہ اگر انہوں نے اپنی وحدت اور یکجہتی کو فرقہ بازی کی نذر کر دیا تو پھر اقامت دین کے فریضہ سے وہ عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔ ان کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ نئے انسانی معاشروں میں اس کو قائم کرنا تو بڑی بات ہے۔

"جہاں ان کے اسلاف کی کوششوں کے باعث دین قائم ہو چکا ہے وہاں اس کا باقی رہنا بھی مشکوک ہو جائے گا اور اس کا مشاہدہ ہم اپنے ہاں کر رہے ہیں۔"

اس لئے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر متحد و متفق رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور حضور سرور عالم ﷺ نے بار بار اپنے ارشادات عالیہ، حکیمانہ میں ہمیں بے اتفاقی سے ڈرایا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ. مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد)

جس نے دانستہ ایک بالشت بھر کے لئے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اس نے گویا اپنے گلے سے اسلام کا رشتہ اتار پھینکا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ، يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی پیاری حدیث منقول ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَاْخُذُ الشَّاةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ فَاِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ (رواہ احمد) یعنی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس طرح بکریوں کے لئے بھیڑیا ہوتا ہے اسی طرح شیطان، انسان کے لئے بھیڑیا ہوتا ہے۔ بھیڑیا اپنے ریوڑ سے الگ ہوجانے والی یا دور آگے چلی جانے والی یا ایک طرف ہوجانے والی کو ہی پکڑتا ہے اور میں تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ تم گروہ گروہ ہوجاؤ۔ تم پر لازم ہے کہ تم جماعت کے ساتھ اور عام لوگوں کے ساتھ رہو۔ (مظہری) (تفسیر ضیاء القرآن، سورۃ الشوریٰ، آیت 13)

13- مولانا مودودی رحمہ اللہ تفسیر "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں:

اس کے بعد فرمایا کہ ان سب انبیاء علیہم السلام کو دین کی نوعیت رکھنے والی یہ تشریع اس ہدایت اور تاکید کے ساتھ دی گئی تھی کہ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ۔ اس فقرے کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے "قائم کنید دین را" کیا ہے، اور شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے "قائم رکھو دین کو"۔ یہ دونوں ترجمے درست ہیں۔ اقامت کے معنی قائم کرنے کے بھی ہیں اور قائم رکھنے کے بھی، اور انبیاء (علیہم السلام) ان دونوں ہی کاموں پر مامور تھے۔ ان کا پہلا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ دین قائم نہیں ہے وہاں اسے قائم کریں۔ اور دوسرا فرض یہ تھا کہ جہاں یہ قائم ہوجائے یا پہلے سے قائم ہو وہاں اسے قائم رکھیں۔ ظاہر بات ہے کہ قائم رکھنے کی نوبت آتی ہی اس وقت ہے جب ایک چیز قائم ہوچکی ہو۔ ورنہ پہلے اسے قائم کرنا ہوگا، پھر یہ کوشش مسلسل جاری رکھنی پڑے گی کہ وہ قائم رہے۔

14- مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ تفسیر "تدبر قرآن" میں لکھتے ہیں:

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ یہ اس دین کا بھی بیان ہے جس کی تلقین ان نبیوں کو کی گئی اور اس ہدایت کا بھی جو اس دین سے متعلق ان نبیوں کے واسطہ سے ان کے پیرووں کو کی گئی۔ الدین پر الف لام اسی طرح کا ہے جس طرح الکتاب پر ہے جس طرح الکتاب کے معنی اللہ کی کتاب کے ہیں اسی طرح الدین کے معنی اللہ کے دین کے ہیں۔ اللہ کا دین شروع سے اسلام ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (اصل دین اللہ کے

نزدیک اسلام ہے) اس دین کی بنیاد خالص اور کامل توحید پر ہے۔ یہی دین اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح (علیہ السلام) بلکہ حضرت آدم (علیہ السلام) کو بھی دیا اور یہی دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی نازل فرمایا۔ اس کے عقائد اور اس کی اساسات شروع سے آخر تک بالکل ایک ہیں۔ فرق اگر ہوا ہے تو جزئیات شریعت میں ہوا ہے جس کو قرآن نے شرعۃ و منھاج کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس دین سے متعلق امتوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی گئی تھی کہ اس کو قائم رکھنا اور اس میں اختلاف اور تفرق نہ برپا کرنا۔ یہ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح فرمایا ہے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: 103) (سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑو اور متفرق نہ ہو) قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی جو باتیں ماننے کی ہیں وہ سچائی کے ساتھ مانی جائیں جو کرنے کی ہیں وہ دیانتداری اور راستبازی کے ساتھ کی جائیں۔ نیز لوگوں کی برابر نگرانی کی جائے کہ وہ اس سے غافل یا منحرف نہ ہونے پائیں اور اس بات کا بھی پورا اہتمام کیا جائے کہ اہلِ بدعت اس میں کوئی رخنہ نہ پیدا کرسکیں۔

لَا تَفَرَّقُوْا کا مطلب یہ ہے کہ یہی دین حبل اللہ ہے اس وجہ سے سب کا فرض ہے کہ سب مل کر اس کو تھامیں۔ ایسا نہ ہو کہ جس کے ہاتھ میں جو رسی آجائے اسی کو وہ حبل اللہ سمجھ بیٹھے اور اس رسی کو چھوڑ دے۔ اگر اس حبل اللہ سے تعلق منقطع ہوا تو سارا شیرازہ[1] درہم برہم[2] ہوجائے گا۔ پھر کوئی چیز بھی لوگوں کی شیرازہ بندی[3] نہ کرسکے گی۔ (تدبر القرآن، الشوریٰ: 13)

15- مولانا گوہر رحمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں 30 سال سے اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ، کا ترجمہ اس طرح کرتا رہا ہوں اور اس کی تشریح اس طرح سمجھاتا رہا ہوں کہ "پورے دین پر عمل کرو، اس کے کل احکام کی پابندی کرو اور اس میں تفرقہ، اختلاف اور پھوٹ نہ ڈالو کہ کچھ کو مانو اور کچھ کو نہ مانو، کچھ پر عمل کرو اور کچھ کو چھوڑ دو یا کوئی مانے اور کوئی نہ مانے بلکہ تم سب کے سب پورے دین کو مان لو، اس پر عمل کرو اس پر مجتمع اور متحد ہوجاؤ اس لیے کہ یہ مقصد انبیاء ہے اور امت کے لیے ایک دینی فریضہ ہے۔" (تفہیم المسائل، ج، 05)

---

(۱) اتحاد (۲) اُلٹ پلٹ، گڈمڈ (۳) متحد کرنا

16- ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ "بیان القرآن" میں لکھتے ہیں:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ "کہ قائم کرو دین کو۔"

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا ہے کہ حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، یعنی تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی ہے۔ یہی مضمون سورۃ الانبیاء میں اس طرح آیا ہے: اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ "یقیناً یہ تمہاری امت، ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں، لہٰذا تم لوگ میری ہی بندگی کرو"۔ یعنی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی امتوں کا دین ایک ہی تھا۔ ان کے درمیان اگر کوئی فرق یا اختلاف تھا تو وہ شریعتوں میں تھا۔ دوسری اہم بات اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اقامتِ دین کا فریضہ ان تمام پیغمبروں کو سونپا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی قوم کو اس سلسلے میں جو حکم ملا تھا اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے کہ تم لوگ ارضِ فلسطین کو فتح کرنے کے لیے جہاد کرو۔ ظاہر ہے اس خطہ پر قبضہ کرنے کا مقصد اللہ کے دین کو وہاں بالفعل نافذ کرنا تھا۔ چنانچہ اقامتِ دین کی جدوجہد ماقبل امتوں پر بھی فرض تھی۔

بہر حال! اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کے حکم کا خلاصہ یہی ہے کہ زبان سے صرف عقیدۂ توحید کا اقرار کر لینا کافی نہیں بلکہ اس عقیدے کا رنگ اپنے اعمال پر بھی چڑھاؤ اور نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر اپنے معاشرے کی اعلیٰ ترین (ریاستی اور حکومتی) سطح پر اس کی تنفیذ و تعمیل کو یقینی بناؤ۔ واضح رہے کہ مترجمین نے بالعموم (اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ) کا ترجمہ کیا ہے: "کہ دین کو قائم رکھو!" یہ بھی درست ہے، کیونکہ اقامتِ دین کے حوالے سے کسی معاشرے میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو وہاں دین قائم ہے یا قائم نہیں ہے۔ چنانچہ اس حکم کا منشاء[1] یہ ہے کہ اگر دین پہلے قائم ہے تو اسے قائم رکھو اور اگر قائم نہیں ہے تو اسے قائم کرو۔ مثلاً خیمہ اگر کھڑا ہے تو اسے گرنے سے بچانا ہے اور اگر پہلے سے کھڑا نہیں ہے تو اسے کھڑا (erect) کرنا ہے۔

(۱) مقصد

اقامتِ دین کے لیے استعمال ہونے والی دیگر اصطلاحات

گزشتہ بالا تصریحات[1] سے یہ بات سامنے آگئی کہ اقامتِ دین سے مراد "دین کو قائم کرنا" یعنی انفرادی و اجتماعی سطح پر توحید کی تنفیذ و قیام ہے ذیل میں ہم اقامتِ دین کے لیے استعمال ہونے والی دیگر اصطلاحات کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ کچھ اصطلاحات قرآنی ہیں کچھ احادیث مبارکہ میں ہیں اور کچھ عوامی نوعیت کی ہیں اور مختلف ادوار میں مختلف مفکرین نے اسلام کے غلبہ کے لیے اپنے اپنے ماحول کے پیش نظر یہ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان اصطلاحات کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے۔

1- **تکبیرِ رب:-** اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔

وضاحت: کیونکہ رب کی بڑائی بولنے اور بزرگی و عظمت بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس[2] ہی وہ چیز ہے جس کی معرفت سب اعمال و اخلاق سے پہلے حاصل ہونی چاہیے۔ بہر حال اس کے کمالات و انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز میں اور نماز سے باہر اس کی بڑائی کا اقرار و اعلان کرنا تمہارا کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، ایک نبی کا سب سے پہلا اور بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ جاہل انسان جن جن کی بڑائی مان رہے ہیں، ان کی نفی کر دے اور ہانکے پکارے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دے کہ اس کائنات میں بڑائی ایک خدا کے سوا کسی کی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمہ اللہ اکبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اذان و اقامت کی ابتداء اللہ اکبر کے اعلان سے ہوتی ہے، نماز میں بھی مسلمان اللہ اکبر کہہ کر داخل ہوتا ہے، اور بار بار اللہ اکبر کہہ کر اٹھتا اور بیٹھتا ہے اور جب ذبح کرتا ہے تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر، اور نعرہ تکبیر پوری دنیا میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ نمایاں امتیازی شعار ہے، کیونکہ اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام ہی اللہ اکبر کی تکبیر سے شروع کیا ہے۔ (جلالین)

(۱) وضاحتوں (۲) بزرگی اور پاکیزگی

2- خلافت:

خِلَافَةٌ:- اَلْخِلَافَةُ نِيَابَةٌ عَنْ صَاحِبِ الشَّرِيْعَةِ فِيْ حِفْظِ الدِّيْنِ، وَسِيَاسَةُ الدُّنْيَا بِهٖ تُسَمّٰى خِلَافَةٌ وَاِمَامَةٌ، وَالْقَائِمُ بِهٖ خَلِيْفَةٌ وَاِمَامًا۔ "خلافت دین کی حفاظت کے لیے اور دنیا کی سیاست کے لیے صاحبِ شریعت کی جانشینی ہے لہٰذا اس جانشینی کو خلافت اور امامت کہا جاتا ہے۔ اور جو شخص اس کا انتظام کرتا ہے اسے خلیفہ اور امام کہتے ہیں۔" (ابن خلدون)

3- قیام عدل اسلامی:

لِيَقُوْمَ النَّاسُ (تاکہ لوگ قائم رہیں) تاکہ وہ اپنے مابین برابری سرابری کے ساتھ معاملات کریں۔ بِالْقِسْطِ (اعتدال کے ساتھ) اور کوئی دوسرے پر ظلم نہ کرے۔
(مدارک التنزیل)

کسی معاشرہ میں عدل کے قیام کی یہی صورت ہے کہ حقوق اللہ بھی پوری طرح ادا کیے جائیں، یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا جائے۔ بجا آوری میں غفلت نہ برتی جائے۔ اسی طرح حقوق العباد کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ کسی کا حق تلف نہ کیا جائے۔ کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ کسی کے جان، مال اور آبرو پر دست درازی نہ کی جائے۔ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر عدل و انصاف کو بروئے کار لایا جائے اور اگر باہمی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ اس میزان یعنی عقلِ سلیم کے مطابق کیا جائے جسے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی گئی ہو اور اگر حق و انصاف کے سامنے کوئی شخص سرِ تسلیم خم نہیں کرتا، روشن اور واضح دلائل و براہین کے بعد بھی اس باطل سے چمٹا رہتا ہے اور حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتا ہے تو اس وقت اس کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسل کو لوہے کا ڈنڈا بھی عطا فرمایا ہے جس کی ایک ضرب اچھے اچھے بددماغوں کا دماغ درست کر سکتی ہے۔ اللہ کا رسول صرف حق سنانے کے لیے نہیں آتا بلکہ حق کو پھیلانا اور اس کی بالادستی قائم کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی شان کا وہ مظہر بن کر آتا ہے (ضیاء القرآن)

ان سب کے علاوہ اِعلائے کلمۃُ اللہ کی اصطلاح احادیثِ مبارکہ میں استعمال ہوئی ہے۔ (لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ بخاری کتاب العلم) اور چند عام فہم اور عوامی اصطلاحات یہ ہیں۔ منصب امامت، نفاذِ شریعت، اسلامی انقلاب، حکومتِ الٰہیہ اور نظامِ مصطفےٰ ﷺ وغیرہ۔

اقامتِ دین کا ہم معنی مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں

1- وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ (المدثر:3)

"اور اپنے رب کو بڑا کرو!"

2- شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿13﴾ (سورۃ الشوریٰ۔ آیت:13)

"(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوح علیہ السلام کو کی تھی، اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے، اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ علیہم السلام کو، کہ قائم کرو دین کو، اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (اے نبی ﷺ) بہت بھاری ہے مشرکین پر یہ بات جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف (آنے کے لیے) چن لیتا ہے، اور وہ اپنی طرف ہدایت اُسے دیتا ہے جو خود رجوع کرتا ہے۔"

3- وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿66﴾۔ (المائدہ:66)

"اور اگر انہوں نے قائم کیا ہوتا تورات کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر اِن کے رب کی طرف سے، تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے

قدموں کے نیچے سے بھی، ان میں کچھ لوگ ہیں جو درمیانی (یعنی سیدھی) راہ پر ہیں۔لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بہت بُری حرکتیں کر رہے ہیں۔"

4- يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ (المائدہ:67)

"اے رسول (ﷺ)! پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے رب کی جانب سے۔اور اگر (بالفرض) آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ ﷺ نے اُس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔اور اللہ آپ ﷺ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے۔ یقیناً اللہ کافروں کو راہ یاب نہیں کرتا۔"

5- قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ (المائدہ:68)

"(اے نبی ﷺ)! کہہ دیجیے: اے کتاب والو! تم کسی چیز پر نہیں ہو، جب تک تم قائم نہ کرو تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے۔لیکن (اے نبی ﷺ)! جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے آپ ﷺ کے رب کی طرف سے یہ ان کے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں یقیناً اضافہ کرے گا، تو آپ ﷺ ان کافروں کے بارے میں افسوس نہ کریں۔"

6- وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ (البقرۃ:193)

"اور لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو کوئی زیادتی جائز نہیں ہے مگر ظالموں پر۔"

7- وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ

لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ (النور:55)

"اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا' جیسے اُس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی، اور وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جو اُن کے لیے اُس نے پسند کیا ہے، اور وہ ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کے بعد اس کو لازماً امن سے بدل دے گا۔وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں۔"

8- اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ (الحج:41)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ قائم کریں گے نماز کو اور ادا کریں گے زکوٰۃ کو اور حکم دیں گے نیکی کا اور روکیں گے برائی سے اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے سب کاموں کا انجام۔"

9- وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (الانبیاء:105)

"اور ہم نے لکھ دیا تھا زبور میں نصیحت کے بعد کہ اس زمین کے وارث ہوں گے ہمارے نیک بندے۔"

10- يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ (المائدہ:54)

"اے ایمان والو! جوکوئی بھی پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے، تو اللہ (کو کوئی پرواہ نہیں' وہ) عنقریب (تمہیں ہٹا کر) ایک ایسی قوم کو لے آئے گا، جنہیں اللہ محبوب رکھے گا اور وہ اُسے محبوب رکھیں گے، وہ اہلِ ایمان کے حق میں بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت بھاری ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں کریں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے' جس کو چاہے عطا کرتا ہے' اور اللہ بہت وسعت رکھنے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔"

11- قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾ (الفتح:16)

"ان بدووں میں سے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ عنقریب تمہیں بلایا جائے گا ایک ایسی قوم کے ساتھ مقابلے کے لیے جو بہت طاقتور ہوگی' یا تو تم ان سے قتال کرو گے یا وہ اطاعت قبول کرلیں گے تو اس وقت اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے (اس موقع پر بھی) پیٹھ دکھا دی جیسے کہ تم نے پہلے پیٹھ دکھائی تھی تو وہ تمہیں بہت دردناک عذاب دے گا۔"

12- مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَــظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ ۧ (الفتح:29)

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو ان کے ساتھ ہیں' وہ کافروں پر بہت بھاری اور آپس میں بہت رحم دل ہیں، تم دیکھو گے انہیں رکوع کرتے ہوئے' سجدہ کرتے

ہوئے' وہ (ہر آن) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی رہتے ہیں، ان کی پہچان ان کے چہروں پر (ظاہر) ہے سجدوں کے اثرات کی وجہ سے۔ یہ ہے ان کی مثال تورات میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی کونپل' پھر اس کو تقویت دی' پھر وہ سخت ہوئی' پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ یہ کاشتکار کو بڑی بھلی لگتی ہے' تاکہ ان سے کافروں کے دل جلائے۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' مغفرت اور اجرِ عظیم کا۔"

13- يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ (الصف:8)

"وہ تُلے ہوئے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا کر رہیں گے، اور اللہ اپنے نور کا اِتمام فرما کر رہے گا' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔"

14- هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾ ۧ (الصف:9)

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کردے اس کو پورے نظامِ زندگی پر، اور خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو!"

15- كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ (آل عمران:110)

"تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم حکم کرتے ہو نیکی کا، اور تم روکتے ہو بدی سے، اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر' اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔"

16- وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ۧ (الحدید:10)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں' جبکہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی وراثت! تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے انفاق کیا اور قتال کیا فتح سے پہلے وہ (فتح کے بعد انفاق اور قتال کرنے والوں کے) برابر نہیں ہیں۔ ان لوگوں کا درجہ بہت بلند ہے ان کے مقابلے میں جنہوں نے انفاق اور قتال کیا فتح کے بعد۔ اگرچہ ان سب سے اللہ نے بہت اچھا وعدہ فرمایا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔"

17- إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾ (الحجر:9)

"یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

18- لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾ (الحدید:25)

"ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ، اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری، تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے' اس میں شدید جنگی صلاحیت ہے اور لوگوں کے لیے دوسری منفعتیں بھی ہیں، اور تاکہ اللہ جان لے کہ کون مدد کرتا ہے اُس کی اور اُس کے رسولوں کی غیب میں ہونے کے باوجود۔ یقیناً اللہ بہت قوت والا' بہت زبردست ہے۔"

19- لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ ؕ (القیامہ:16)

"آپ اس (قرآن) کے ساتھ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت نہ دیں۔"

20- اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ ۚ (القیامہ:17)

"اسے جمع کرنا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔"

21- فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ۚ (القیامۃ:18)

"پھر جب ہم اسے پڑھوا دیں تو آپ اس کی قراءت کی پیروی کیجیے۔"

22- ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ ؕ (القیامہ:19)

"پھر ہمارے ہی ذمے ہے اس کو واضح کر دینا بھی۔"

نوٹ: مندرجہ بالا آیات کا انتخاب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حزب اللہ کے اوصاف" سے کیا گیا ہے۔

اقامتِ دین کا ذکر احادیث مبارکہ میں:

1- وَإِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ مَا أَطَاعُوا اللّٰهَ وَاسْتَقَامُوْا عَلٰى أَمْرِهٖ۔ ...
اَلْوِلَاةُ مِنْ قُرَيْشٍ مَا أَطَاعُوا اللّٰهَ وَاسْتَقَامُوْا عَلٰى أَمْرِهٖ

اور یہ بارِ خلافت قریش میں رہے گا جب تک کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے رہیں اور سیدھی راہ پر گامزن رہیں..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَلْوِلَاةُ مِنْ قُرَيْشٍ مَا اَطَاعُوا اللّٰهَ وَاسْتَقَامُوْا عَلٰى اَمْرِهٖ" حکام قریش میں سے ہوں گے جب تک کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے رہیں اور اس کے دین پر ثابت قدم رہیں۔ (کنز العمال، ج 03، حدیث نمبر 2276)

2- اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ مَا اَقَامُوا الدِّيْنَ

یہ اقتدار (خلافت) قریش میں رہے گا جو بھی اس بارے میں ان سے دشمنی کرے گا تو اللہ اس کو اوندھے منہ آگ میں ڈال دے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں۔

(بخاری کتاب المناقب والاحکام)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و کام کے متعلق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

3- اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ

اللہ نے ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کے لیے اور اقامت دین کے لیے چن رکھا تھا۔ (سنن ابن ماجہ۔ کتاب النکاح)

اور ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

4- وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْمَاتَ فَاِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ اُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی الله عليه وسلم كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَّاَعْمَقَهَا عِلْمًا وَّاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى

آثَارِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث 187)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جو آدمی کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو فوت ہو گئے ہیں کیونکہ زندہ آدمی (دین میں) فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا اور وہ لوگ جو فوت ہو گئے ہیں (اور جن کی پیروی کرنی چاہیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، جو اس اُمت کے بہترین لوگ تھے، دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور بہت کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب کیا تھا لہٰذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان سے آداب و اخلاق کو اختیار کرتے رہو (اس لئے کہ) وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستہ پر تھے۔"

5- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِسْتَقِيْمُوْا لِقُرَيْشٍ مَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَإِذَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَضَعُوْا سُيُوْفَكُمْ عَلَى عَوَاتِقِكُمْ فَأَبِيْدُوْا خَضْرَاءَهُمْ۔ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَكُوْنُوْا حِيْنَئِذٍ أَشْقِيَاءَ تَأْكُلُوْا مِنْ كَدِّ أَيْدِيْكُمْ

تم قریش کی اطاعت پر قائم رہو جب تک کہ وہ تمہارے لیے حق پر قائم رہیں جب وہ ایسا نہ کریں تو پھر تم اپنی تلواریں کاندھوں پر رکھو اور ان کے سر برآوردہ لیڈروں کو ہلاک کر دو اور جب تم ایسا نہ کر سکو تو بدنصیبی کا شکار بن جاؤ اور اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کر کھاؤ۔ (معجم الصغیر للطبرانی 201)

6- عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللهُ إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ

يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُوْنُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيًّا فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ۔ (مسند احمد رواہ نعمان بن بشیر)

"حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر خلافت کا دور آئے گا جو نبوت کے راستے پر ہوگا۔ پھر یہ دور بھی اس وقت رہے گا جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ چاہے گا اسے اٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت آجائے گی۔ یہ دور رہے گا جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا تو اٹھا لے گا۔ اس کے بعد تم پر زبردستی حاکم مسلط ہو جائیں گے (بیرونی حاکم)، پھر اللہ تعالیٰ اس دور کو بھی اٹھا لے گا جب چاہے گا۔ پھر خلافت کا دور آئے گا جو نبوت کے راستے پر ہو گا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمالی۔"

7- عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا (صحیح مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا یعنی اکٹھی کر دی۔ پس میں نے اس کے تمام مشرق و مغرب دیکھ لیے، اور میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچ کر رہے گی جو میرے لیے لپیٹی گئی۔

فرضیت اقامتِ دین ــــ اسلاف کی آراء

دار الاسلام و دار الکفر کا تصور: سلف کے ہاں ہمیں واضح طور پر دار الاسلام اور دار الکفر کا تصور ملتا ہے۔ جس کا ذکر درج ذیل ہے:

امام ابو حنیفہؒ کی رائے: حضرت امام ابو حنیفہؒ دار الکفر کی تین شرائط بیان فرماتے ہیں۔

1- اَنْ تَعْلُوْهَا اَحْكَامُ الْكُفْرِ ــــــ یعنی اس ملک میں غلبہ و سربلندی کفریہ احکام کو حاصل ہو۔

2- ذَهَابُ الْاَمَانِ لِلْمُسْلِمِيْنَ ــــــ مسلمانوں کے لیے امان نہ رہے۔

3- اَنْ تَكُوْنَ تِلْكَ الدَّارُ مُجَاوِرَةٌ لِدَارِ الْكُفْرِ، بِحَيْثُ تَكُوْنَ مَصْدَرِ خَطَرَ عَلٰى مُسْلِمِيْنَ وَسَبَبًا فِىْ ذَهَابِ الْاَمْنِ۔

اس ملک کی سرحدیں دارلکفر سے ملتی ہوں اس طور سے کہ مسلمانوں کے لیے خطرات و نقضِ امن کا باعث ہو۔

اسی بات کو صاحبین نے مزید واضح کیا ہے۔

وَافْتَى الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ وَ الْاِمَامُ اَبُوْ يُوْسُفَ، صَاحِبَا اَبِىْ حَنِيْفَةَ اور فتویٰ دیا امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے جو شاگرد ہیں امام ابو حنیفہؒ کے۔

1- بِاَنَّ حُكْمُ الدَّارِ تَابِعٌ لِلْاَحْكَامِ تَعْلُوْهَا ــــــ اس پر کہ کسی ریاست کا حکم تابع ہوگا ان احکام کے جن کی بالادستی وہاں مانی گئی ہو۔

2- فَاِنْ كَانَتِ الْاَحْكَامُ الَّتِىْ تَعْلُوْهَا هِىَ أَحْكَامُ الْاِسْلَامِ، فَهِىَ دَارُ الْاِسْلَامِ ــــــ پھر اگر وہ احکام جو اس ملک میں نافذ ہیں اسلامی ہیں تو وہ ملک دار الاسلام کہلائے گا۔

3- وَاِنْ كَانَتِ الْاَحْكَامُ الَّتِىْ تَعْلُوْهَا هِىَ اَحْكَامُ الْكُفْرِ، فَهِىَ دَارُ الْكُفْرِ۔ اور

اگر وہاں کفریہ احکامات نافذ ہیں تو وہ دار الکفر کہلائے گا۔ (بدائع الصنائع للکاسانی ۔جزء اول، بحوالہ اقامت دین فرضیت و طریقہ کار)

اسلامی حکومت کی تعریف: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس حکومت کا نظامِ مملکت شریعت اسلامیہ کے ماتحت ہو اس کے مطابق ہو اور حکومت کا مذہب من حیث الحکومت اسلام ہو اور اس حکومت کا دستور اور آئین قانونِ شریعت ہو اور حکومت من حیث الحکومت دل و جان سے دینِ اسلام کے اتباع کو فرض و لازم سمجھتی اور زبان سے بھی اس کا اقرار کرتی ہو۔"

دار الکفر و دار الاسلام کے واضح تصور کے علاوہ جب مسلمانوں میں حکومتیں تو مسلمان حکمرانوں کی قائم ہوئیں مگر نظامِ زندگی شریعت اسلامیہ کے مطابق نہ رہا بلکہ اغیار (انگریزوں) کے نظامِ زندگی کے تحت مسلمانوں کی زندگیاں بسر ہونے لگیں اور نہ صرف یہ کہ شریعت کی اہمیت بطور نظامِ زندگی قلوب و اذہان سے گم ہو گئیں بلکہ فی الحقیقت مغربی تعلیم کے پروردہ طبقہ کے ہاں اجتماعی نظام میں شریعت "قابلِ عمل" نہ رہی اور مذہبی طبقات میں بھی "استخفافِ شریعت"[1] کوئی بڑا گناہ نہ رہا۔ اس تیسری صورت کی وضاحت مولانا ادریس احمد کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہوئے 'حکومتِ ضالّہ' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"اور اگر حکومت زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتی ہے۔ مگر درپردہ دیدہ و دانستہ بے دین لوگوں کے مشورہ سے ملک میں ایسے قوانین اور احکام جاری کرتی ہے کہ جو صریح کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہیں تو ایسی حکومت، حکومتِ

(۱) شرعی احکام کو کم تر سمجھنا یا شریعت کو کم تر سمجھنا

نفاق ہے اور ایسی حکومت کے اربابِ اقتدار فی الحقیقت جنس کفار سے ہیں، احکامِ آخرت کے اعتبار سے ان میں اور کفار میں کوئی فرق نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ ایسی ریاست دین اسلام کے لیے سمِ قاتل ہے۔۔۔ ایسی سلطنتِ ضالہ کی مخالفت اور مُنازعت[1] بقدرِ استطاعت شرعاً عقلاً فرض اور لازم ہے۔ بشرطیکہ اس ریاست اور اقتدار کے ختم ہو جانے کے بعد سلطنتِ عادلہ اور ریاستِ صالحہ کے قائم ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو۔"

☆ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ "احکام القرآن" میں نصبِ امامت کی فرضیت میں لکھتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ فِيْ وُجُوْبِ ذٰلِكَ بَيْنَ الْاُمَّةِ وَلَا بَيْنَ الْاَئِمَّةِ

"نصبِ امامت کے فرض ہونے میں امت اور ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔"

سورۃ البقرۃ آیت نمبر 30 میں خلیفہ سے مراد حضرت ابنِ مسعود، ابنِ عباس رضی اللہ عنہم اور تمام اہل تاویل کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر نافذ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں کیونکہ وہی زمین کی طرف پہلے رسول ہیں۔

یہ آیت (البقرہ:30) امام اور خلیفہ قائم کرنے میں اصل ہے ایسا خلیفہ اور امام جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تا کہ اس کے ساتھ کلمہ مجتمع رہے اور اس کے ساتھ خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔ امام اور خلیفہ کے وجوب کے متعلق امت کے ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں مگر وہ قول جو اصم[2] (بہرہ) سے مروی ہے یہ شریعت سے بھی اصم (بہرہ) تھا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جس نے اصم جیسا قول کیا اور اس کی رائے اور اس کے مذہب کی پیروی کی وہ شریعت میں (بہرہ) ہے۔ اصم کا قول ہے کہ دین میں خلیفہ واجب نہیں ہے بلکہ جائز ہے، جبکہ لوگ اپنا حج اور جہاد قائم کرتے ہوں، اپنے آپ میں انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوں اور حق کو اپنی طرف سے ادا کرتے

(۱) مخالفت (۲) یہ ایک خارجی تھا

ہوں، مالِ غنیمت، مالِ فے اور صدقات وغیرہ ان کے اہل اور مستحق لوگوں میں تقسیم کرتے ہوں اور جن لوگوں پر حدود واجب ہوں ان پر حدود جاری کرتے ہوں تو یہ ان کے لئے کافی ہے ان پر امام متعین کرنا واجب نہیں ہے جو ان تمام امور کا والی ہو۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ (سورۃ البقرۃ:30) "میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ﴾ (ص:26) (اے داؤد ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو نائب زمین میں) اور فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور:55) (وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں)۔ یہ تمام آیات اور ان کے علاوہ آیات ہمارے دلائل ہیں۔ پس یہ خلافت کے وجوب کی دلیل ہے اور یہ دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کا قوام اور اجتماع ہے۔ (قرطبی، البقرۃ)

☆ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

امام قرطبی وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تا کہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے، ان کے جھگڑے چکائے، مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے، حدیں قائم کرے، برائیوں کے مرتکب لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے وغیرہ، وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے لہٰذا خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ثابت ہوا۔ (ابن کثیر، البقرۃ)

☆ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "السیاسۃ الشرعیۃ" میں لکھتے ہیں:

يَجِبُ اَنْ يُّعْرَفَ اِنَّ وِلَايَةَ اَمْرِ النَّاسِ مِنْ اَعْظَمِ وَاجِبَاتِ الدِّيْنِ لَا قِيَامَ لِلدِّيْنِ اِلَّا بِهَا

"اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ریاست وحکومت کا قیام دین کے عظیم ترین فرائض میں سے ہے، دین کا قیام (اقامت دین) اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔"

☆ علامہ ابن خلدون نصبِ امامت کے واجب ہونے اور خلافت کی تعریف کے حوالے سے فرماتے ہیں:

اَلْخِلَافَةُ نِيَابَةٌ عَنْ صَاحِبِ الشَّرِيْعَةِ فِي حِفْظِ الدِّيْنِ وَ سِيَاسَةُ بِهٖ تُسَمّٰى خِلَافَةٌ وَ إِمَامَةٌ وَ الْقَائِمُ بِهٖ خَلِيْفَةٌ وَ إِمَامًا فَأَمَّا تَسْمِيَةُ إِمَامًا فَتَشْبِيْهًا بِإِمَامِ الصَّلَاةِ فِي اِتِّبَاعِهٖ وَالْاِقْتِدَاءِ بِهٖ وَلِهٰذَا يُقَالُ: اَلْإِمَامَةُ الْكُبْرٰى وَأَمَّا تَسْمِيَةُ خَلِيْفَةٌ فَلِكَوْنِهٖ يَخْلُفُ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ أُمَّتِهٖ۔۔۔۔۔ إِنَّ نَصْبَ الْإِمَامِ وَاجِبٌ قَدْ عُرِفَ وُجُوْبُهٗ فِي الشَّرْعِ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ لِأَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ وَفَاتِهٖ بَادِرُوْا إِلٰى بَيْعَةِ أَبِيْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ تَسْلِيْمَ النَّظْرِ إِلَيْهِ فِيْ أُمُوْرِهِمْ وَ كَذَا فِيْ كُلِّ عَصْرٍ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَلَمْ تُتْرَكِ النَّاسُ فَوْضٰى فِي عَصْرٍ مِّنَ الْأَعْصَارِ وَ اسْتَقَرَّ ذٰلِكَ إِجْمَاعًا دَالًّا عَلٰى وُجُوْبِ نَصْبِ الْإِمَامِ۔ (مقدمہ ابن خلدون)

"خلافت دین کی حفاظت کے لیے اور دنیا کی سیاست کے لیے صاحبِ شریعت کی جانشینی ہے لہٰذا اس جانشینی اور نیابت کو خلافت اور امامت کہا جاتا ہے اور جو شخص اس کا انتظام کرتا ہے اسے خلیفہ اور امام کہتے ہیں۔ خلیفہ کو امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے امامِ نماز کے مشابہ قرار دیا گیا ہے کہ جیسے مقتدی کو اپنے امام کی پیروی کرنا لازم ہے اسی طرح تمام رعایا کو اپنے خلیفہ کی پیروی کرنا لازم ہے۔ اس لیے خلافت کو امامتِ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے اور خلیفہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اُمت میں پیغمبر کی جانشینی کے فرائض انجام دیتا ہے------امام کا تقرر ضروری ہے اور شریعت میں اس کا وجوب صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اجماع سے ثابت ہے کیونکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کے ذریعے انہیں خلیفہ بنانے اور تمام انتظامات ان کے حوالے کرنے کا فی الفور اہتمام کیا تھا۔ پھر آپ ؓ کے بعد

ہر زمانے میں ایسا ہی ہوتا رہا اور لوگوں کو کسی زمانہ میں بھی مطلق العنان اور خلیفہ کے بغیر آزاد نہیں چھوڑا گیا اس اعتبار سے تقررِ خلیفہ پر امت کا اجماع ہے۔"

خلافت و امارت کی بحث اہل سنت والجماعت کے نزدیک اگرچہ اصولِ دین میں سے نہیں، لیکن چونکہ روافض و اہل بدعت نے اس میں بہت افراط و تفریط کی ہے، اس لیے علماء حق نے اس بحث کو علم کلام میں داخل کر دیا تا کہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

اسی وجہ سے مندرجہ ذیل الفاظ عقائد نسفیہ میں ہیں:

وَالْمُسْلِمُوْنَ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ إِمَامٍ يَّقُوْمُ بِتَنْفِيْذِ أَحْكَامِهِمْ وَإِقَامَةِ حُدُوْدِهِمْ وَسَدِّ ثُغُوْرِهِمْ وَتَجْهِيْزِ جُيُوْشِهِمْ وَ أَخْذِ صَدَقَاتِهِمْ

"اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نصب امام کریں تا کہ وہ ان کی طرف سے احکاماتِ الٰہیہ کی تنفیذ کرے اور شریعت کی حدود قائم کرے اور اسلامی سلطنت کی حدود کی حفاظت کرے اور جہاد کے لیے لشکروں کو تیار کرے اور لوگوں سے صدقات وصول کرے۔" (بحوالہ عقائد الاسلام)

صاحب درِ مختار لکھتے ہیں:

(اَلْإِمَامَةُ هِيَ صُغْرٰى وَ كُبْرٰى فَالْكُبْرٰى اِسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفٍ عَامٍّ عَلَى الْأَنَامِ، وَ تَحْقِيْقُهٗ فِيْ عِلْمِ الْكَلَامِ وَنَصْبُهٗ أَهَمُّ الْوَاجِبَاتِ فَلِذَا قَدَّمُوْهُ عَلٰى دَفْنِ صَاحِبِ الْمُعْجِزَاتِ۔

"امامت دو طرح کی ہے، صغریٰ اور کبریٰ یعنی چھوٹی اور بڑی۔ بڑی امامت مخلوق پر عام تصرف کے استحقاق کو کہتے ہیں اور اس قسم کی تفصیل علم کلام میں مذکور ہے اور اس (خلافت) کا قائم کرنا مسلمانوں کے لیے بہت اہم واجبات میں سے ہے اور اسی وجہ سے صحابہ کرام ؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر اسے مقدم کیا۔" (بحوالہ عقائد الاسلام)

مزید برآں امام ابن حزمؒ فرضیت امامت کبریٰ پر اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اس اہم فرض سے اُمت میں کبھی بھی کوئی اختلاف نہ کر سکا سوائے خوارج کے جو صرف حقوق کی ادائیگی کو کافی سمجھتے تھے۔

وَاَنَّ الْاُمَّةَ وَاجِبٌ عَلَيْهَا لِاِمَامٍ عَادِلٍ...... حَاشاً النَّجْدَاتِ مِنَ الْخَوَارِجِ فَاِنَّهُمْ قَالُوْا لَا يَلْزَمُ النَّاسَ فَرْضَ الْاِ مَامَةِ وَاِنَّمَا عَلَيْهِمْ اَنْ يُّتَعَاطُوا الْحَقَّ بَيْنَهُمْ وَهٰذِهٖ فِرْقَةٌ مَا نَرٰى بَقِيَ مِنْهُمْ اَحَدٌ۔

"نصب امامت کے واجب ہونے پر تمام اُمت کا اجماع ہے جس سے سوائے خوارج کے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور ان (خوارج) کا کہنا یہ تھا کہ لوگوں پر امام کا نصب کرنا لازم نہیں بلکہ ان پر فقط اس قدر ذمہ داری ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق برابر ادا کریں۔ اور ہمارے (ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ) خیال میں اس فرقہ میں سے آج کوئی موجود نہیں۔"

(الملل والنحل، بحوالہ اقامتِ دین، فرضیت اور طریقۂ کار)

بدقسمتی ہے کہ آج امتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت کے خیالات مندرجہ بالا موقف سے قریب تر ہیں اور وہ اقامتِ دین کی جدوجہد کو نہ صرف یہ کہ ضروری خیال نہیں کرتے بلکہ اسے ایک اضافی نیکی سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں ہیں۔

☆ متقدمین کی آراء کے بعد ہم متاخرین میں سے چند نمایاں اکابر علماء کی آراء درج کرتے ہیں تا کہ صورتِ مسئلہ میں اس امت کے اول و آخر کی یکسانی واضح طور سامنے آ جائے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خانوادے کی حیثیت بلاشبہ گُلِ سرِ سبد[1] کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں بعد کی تمام مساعی ان کی مساعیءِ جمیلہ کا تسلسل ہیں۔ پس سب سے پہلے ہم حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان آراء کو نقل کرتے ہیں۔ اس

(۱) ممتاز، بہترین

موضوع پر حضرت شاہ صاحب کی آراء جا بجا ان کی تصانیف میں ملتی ہیں مگر ان کی کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء اس موضوع پر جامع ترین کتاب قرار دی جا سکتی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آنکه معلوم بالقطع است از ملت محمدیه علیٰ صاحبها الصلوات و التسلیمات که آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں مبعوث شدند برائی کافه خلق اللّٰه با ایشاں معامله ها کردند تصرفها نمودند وبرائے هر معامله نواب تعین فرمودند و اهتمام عظیم در هر معامله مبذول داشتد چوں آں معاملات را استقراء نمائیم واز جزئیات بکلیات واز کلیات به کلی واحد که شامل همه باشد انتقال کنیم جنس اعلیٰ آں 'اقامت دین' باشد که متضمن جمیع کلیات است وتحت وے اجناس دیگر باشند۔

"یہ بات ملتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور و فکر کرنے سے قطعیت[1] کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقِ الٰہی کے لیے بھیجے گئے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کے ساتھ بہت سے معاملات اور تصرفات فرمائے اور ہر معاملے کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اور ہر معاملے میں عظیم اہتمام فرمایا۔ ان معاملات کا جب ہم احاطہ کرتے ہیں اور جزئیات سے کلیات[2] کی طرف اور پھر کلیات سے ایسے کلیہء واحد کی جانب منتقل ہوتے ہیں جو تمام امور کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تو وہ جنسِ اعلیٰ[3] "اقامتِ دین" قرار پاتی ہے۔ جو تمام کلیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اور بہت سی دیگر اجناس اس کے تحت آتی ہیں۔"

اسی کتاب میں شاہ صاحب" مزید فرماتے ہیں:

(۱) حتمی طور پر (۲) یہ منطق کا قاعدہ ہے کہ جزائیات سے کلیات تک پہنچتے ہیں اور پھر کلیہ واحدہ تک۔
(۳) سب سے قیمتی اور اعلیٰ شے

آنحضرت ﷺ بجهاد و نصب امراء و بعث جیوش و سرایا وقیام آنحضرت ﷺ بقضاء در خصومات و نصب قضاة در بلاد اسلام و اقامت حدود و امر بالمعروف و نهی عن المنکر مستغنی از آن است که به تنبیه احتیاج داشته باشد و چوں آنحضرت ﷺ به رفیق اعلیٰ انتقال فرمودند واجب شد اقامت دین بهماں تفصیل که گزشته و اقامت دین موقوف افتاد بر نصب شخصے که اهتمام عظیم کردند در ایں امر

"آنحضرت ﷺ کا جہاد کو قائم رکھنا، اور سرداروں کا مقرر کرنا اور جیوش وسرایا کا روانہ کرنا اور خصومات (جھگڑوں) میں فیصلہ کرنا، بلادِ اسلامیہ میں قاضیوں کا مقرر کرنا، حدود کا تعین کرنا، اچھے کاموں کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے منع فرمانا۔ یہ امور تفصیلی دلائل کے محتاج نہیں ہیں۔ چنانچہ پھر جب آنحضرت ﷺ نے رفیقِ اعلیٰ کی طرف انتقال کیا تو اسی تفصیلِ مذکورہ کے ساتھ دین کا قائم رکھنا واجب ٹھہرا۔ اور اقامتِ دین موقوف تھا ایک ایسے شخص کے (خلیفہ) مقرر ہونے پر جو اس معاملے میں اہتمام عظیم کرے۔"

مزید فرماتے ہیں:

خدائے تعالیٰ جهاد و قضاء و احیائے علوم و اقامت ارکان اسلام و دفع کفار از خوذه اسلام فرض بالکفایه گرادنید و آں همه بدوں نصب امام صورت نگیرد و مقدمه واجب است کبار صحابه بریں وجه تنبیه نمودانید۔

"خدا تعالیٰ نے جہاد کو، قضاء کو، علومِ دینیہ کے زندہ کرنے کو، ارکانِ اسلام کے قائم کرنے کو، بلادِ اسلامیہ سے کفار کے دفع کرنے کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے اور یہ تمام امور امام (خلیفہ) کے مقرر کیے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتے، اور قاعدہ ہے

کہ فرض کا حصول جس چیز پر موقوف ہو اس کا حصول بھی فرض قرار پائے گا اور اس قاعدہ پر بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم نے امت کو متنبہ کر دیا ہے۔"

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی آراء:

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "الروضة الناضرة فی المسائل الحاضرة" کے نام سے تحریر فرمایا: اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مدافعتِ کفار کی مطلقاً اہلِ اسلام سے اور خصوصاً سلطنتِ اسلامیہ سے جس میں خلافت وغیر خلافت اور جس میں سلطنتِ اسلامیہ واقعہ و سلطنتِ اسلامیہ مزعومہ کفار سب داخل ہیں۔ پھر خصوص شعارِ اسلام، جن میں مقاماتِ مقدسہ، بالخصوص حرمین شریفین بھی داخل ہیں، سب مسلمانوں پر فرض ہے کبھی علی العین، کبھی علی الکفایہ علی اختلاف الاحوال، مگر اس کی فرضیت کی کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ من جملہ ان کی ایک شرط استطاعت بھی ہے۔ اور استطاعت سے مراد، استطاعتِ لغویہ نہیں، استطاعتِ شرعیہ ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ رَّاٰی مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ

(مسلم، مشکوۃ باب الامر بالمعروف)

"ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب متحقق[1] ہوگی؟ اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت بظن غالب عادتاً ناممکن ہو۔ اسی طرح ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں، مثلاً کفار کی جگہ کفار ہی مسلط ہوں یا مرکب کا فر د مسلم سے کہ مجموعہ تابع اخس کے ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے۔"

(۱) حقیقت کا رُدپ دھارے گی

☆ اسی طرح "امداد الفتاویٰ" کی جلد نمبر 05 میں "جزل الکلام فی عزل الامام" کے نام سے شائع ہوا ہے۔اس میں حضرت تھانوی ؒ نے اس موضوع کی تمام احادیث اور فقہاء کرام کے اقوال کو یکجا کر کے اس مسئلے کو واضح فرمادیا ہے۔حضرت کی اس بحث کا خلاصہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے یوں بیان فرمایا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی ؒ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمران کے غیر اسلامی اقدامات کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے۔

1۔ حکمران کا فسق اس کی ذات تک محدود ہو، مثلاً شراب نوشی وغیرہ،: اس کا حکم یہ ہے کہ

"اگر بدوں کسی فتنے کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو، جدا کر دیا جائے، اگر فتنے کا اندیشہ ہو صبر کیا جائے،۔۔۔۔اور اگر نہی عن العزل کی صورت میں اس پر کوئی خروج کرے تو عامۃ المسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاص کر جب امام بھی حکم کرے۔ لِقَوْلِهٖ فِي الْعِبَارَةِ السَّادِسَةِ فَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمُوْنَ۔۔۔۔الخ"

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فسق دوسروں تک متعدی ہو۔یعنی لوگوں کا مال ناحق طریقے سے لینے لگے، لیکن اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہوسکتا ہے، جیسے مصالحِ سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس میں اس کی اطاعت ہی واجب ہے خروج جائز نہیں۔

3۔ ایسا مالی ظلم کرے جس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو۔بلکہ صریح ظلم ہو۔اس کا حکم یہ ہے کہ:

"اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا، اگرچہ قتال کی نوبت آجائے۔۔۔۔اور صبر بھی جائز ہے۔بلکہ غالباً اولیٰ ہے۔"

4۔ لوگوں کو معصیتوں پر مجبور کرے، مگر اس کا منشاء دین کا استخفاف یا کفر و معصیت کی پسندیدگی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر اکراہ کے وہ احکام جاری ہوں جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔لیکن خروج جائز نہ ہوگا۔

5۔ لوگوں کو معصیت پر مجبور کرے۔اس کا منشاء یا کفر و معصیت کی پسندیدگی ہو، تو یہ کفر

ہے، یا اگرچہ فی الحال تو اکراہ کا منشاء اکراہِ استخفاف وغیرہ نہ ہو، لیکن اکراہ عام بشکلِ قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المآل ظنِ غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جائے گا تو ایسا اکراہ بھی بحکم کفر ہے، ان تمام صورتوں میں وہی حکم ہوگا جو کفر بواح کا ہے۔اور جو چھٹی صورت میں آرہا ہے۔

(کہاں یہ کہ قوم کا دانشور طبقہ شعوری طور پر اور قوم کی اکثریت ہوائے نفس کی اتباع میں شریعت کو قابل عمل ہی نہ سمجھے اور آج کے قوانین کو وقت کا تقاضا اور ضرورت جانے۔) (مرتب)

6۔ نعوذ باللہ کافر ہو جائے۔اور اس کا حکم یہ ہے کہ:

"معزول ہو جائے گا اور جدا نہ ہو، بشرطِ قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو۔۔۔"

☆ حکومت کا مقصدِ اصلی "اقامتِ دین" ہے۔

حضرت تھانوی ؒ "الافاضات الیومیہ" میں فرماتے ہیں کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج:41)

"یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں۔اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

"اگر ایسی نیت ہے تو کوشش کریں یعنی حدودِ شریعت کا تحفظ شرط ہے۔مگر اب تو ایسا اطلاق ہو رہا ہے کہ شریعت کے خلاف ہو یا موافق (اس کی پرواہ ہی نہیں) تو ایسی حکومت تو فرعون اور شداد کو بھی حاصل تھی۔حکومت سے اصل مقصود اقامتِ دین ہے اور تدابیر اس کے اسباب ہیں۔اگر دین مقصود نہیں جیسا کہ آج

کل حالت ظاہر ہے تو لعنت ہے ایسی حکومت پر۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں حکم اس دینِ مشترک اور متفق علیہ کے قائم رکھنے کا ہے، جس پر تمام انبیاء (علیہم السلام) متفق اور مشترک چلے آئے ہیں۔ اس میں اختلاف کو تفرق کے لفظ سے تعبیر کر کے ممنوع کیا گیا ہے۔ انہی قطعی احکام میں اختلاف و تفرق کو احادیثِ مذکورہ میں ایمان کے لئے خطرہ اور سببِ ہلاکت فرمایا ہے۔

اور اقامتِ دین سے مراد، اس پر قائم دائم رہنا، اس میں کسی شک وشبہ کو راہ نہ دینا، اور کسی حال اس کو نہ چھوڑنا ہے۔ (قرطبی)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رائے:

یعنی سب انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دین الٰہی کو اپنے قول و عمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق و اختلاف کو روا نہ رکھیں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ (بنی اسرائیل:80)

"اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا۔ اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد۔"

"یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا رہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل وخوار اور دوست شاداں وفرحاں ہوں اور بہرصورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔"

یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو۔ تا کہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہو سماوی یا ارضی اس کے نفاذ کے لیے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی

طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد وعناد پر قائم رہیں ان کے ضرر وفساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لیے سورۃ الحدید میں فرمایا

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾ (الحدید:25) (تفسیر عثمانی)

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ کی رائے:

سورۃ محمد ﷺ کی آیت 07 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾﴾

"اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا۔"

"اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ اقامتِ دین، اس کی طرف دعوت اور اس کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد کریں، اور ان کی ساری کد وکاوش کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ اگر انہوں نے ایسے کیا تو وہ ان کی مدد کرے گا۔ اور انہیں ثابت قدمی عطاء فرمائے گا، یعنی صبر وطمانیت اور استقلال کے ساتھ ان کے دلوں کو تقویت بخشے گا، ان کے جسموں کو قوتِ صبر سے نوازے گا اور دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرے گا۔ سچے وعدے والے رب کریم کا وعدہ ہے کہ جو بھی اپنے اقوال وافعال کے ذریعے اس کی مدد کرے گا وہ ضرور اس کی مدد کرے گا، اور نصرت وتائید کے اسباب، ثابت قدمی وغیرہ اس کے لیے آسان کر دے گا۔"

اسی آیت کے ذیل میں تفسیر "اضواء البیان" میں شیخ شنقیطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"اہلِ ایمان کے اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے دین اور کتاب کی مدد کریں، اس کے کلمہ کی سربلندی، احکام کی تعمیل، نواہی سے اجتناب اور حضرت محمد ﷺ پر نازل کردہ شریعت کی لوگوں پر حکمرانی کی خاطر سعی و کوشش اور جہاد کریں۔"

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ⑬ (الشوریٰ:13)

"یہاں اسی بات کو پھر زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو پہلی آیت میں ارشاد ہوئی تھی۔ اس میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ محمد ﷺ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں، نہ انبیاء میں سے کوئی اپنے کسی الگ مذہب کا بانی گزرا ہے، بلکہ اللہ کی طرف سے ایک ہی دین ہے جسے شروع سے تمام انبیاء علیہم السلام پیش کرتے چلے آ رہے ہیں، اور اسی کو محمد ﷺ بھی پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے جو طوفان کے بعد موجودہ نسلِ انسانی کے اوّلین پیغمبر تھے، اس کے بعد نبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے جو آخری نبی ہیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے جنھیں اہلِ عرب اپنا پیشوا مانتے تھے، اور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی طرف یہودی اور عیسائی اپنے مذہب کو منسوب کرتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ انہی پانچ انبیاء کو اس دین کی ہدایت کی گئی تھی۔ بلکہ اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ دنیا میں جتنے انبیاء بھی آئے ہیں، سب ایک ہی دین لے کر آئے ہیں، اور نمونے کے طور پر ان پانچ جلیل القدر انبیاء کا نام لے دیا گیا ہے جن سے دنیا کو معروف ترین آسمانی شریعتیں ملی ہیں۔"

یہ آیت چونکہ دین اور اس کے مقصود پر بڑی اہم روشنی ڈالتی ہے، اس لیے ضروری ہے

کہ اس پر پوری طرح غور کر کے اسے سمجھا جائے:

فرمایا کہ شَرَعَ لَكُمْ، "مقرر کیا تمہارے لیے" شرع کے لغوی معنی راستہ بنانے کے ہیں، اور اصطلاحاً اس سے مراد طریقہ اور ضابطہ اور قاعدہ مقرر کرنا ہے۔ عربی زبان میں اسی اصطلاحی معنی کے لحاظ سے تشریع کا لفظ قانون سازی (Legislation) کا، شرع اور شریعت کا لفظ قانون (Law) کا شارع کا لفظ واضعِ قانون (Law giver) کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ یہ تشریعِ خداوندی دراصل فطری اور منطقی نتیجہ ان اصولی حقائق کا، جو قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں، کہ اللہ ہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے، اور وہی انسان کا حقیقی ولی ہے، اور انسانوں کے درمیان جس امر میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اسی کا کام ہے۔ اب چونکہ اصولاً اللہ ہی مالک اور ولی اور حاکم ہے، اس لیے لامحالہ وہی اس کا حق رکھتا ہے کہ انسان کے لیے قانون و ضابطہ بنائے اور اسی کی یہ ذمہ داری ہے کہ انسانوں کو یہ قانون و ضابطہ دے۔ چنانچہ اپنی اس ذمہ داری کو اس نے یوں ادا کر دیا ہے۔

پھر فرمایا مِنَ الدِّيْنِ، "از قسم دین"۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا ترجمہ "از آئین" کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تشریع فرمائی ہے اس کی نوعیت آئین کی ہے لفظ "دین" کی جو تشریح ہم اس سے پہلے سورۃ زُمَر، حاشیہ نمبر 3 میں کر چکے ہیں وہ اگر نگاہ میں رہے تو یہ سمجھنے میں کوئی الجھن پیش نہیں آ سکتی کہ دین کے معنی ہی کسی کی سیادت و حاکمیت تسلیم کر کے اس کے احکام کی اطاعت کرنے کے ہیں۔ اور جب یہ لفظ طریقے کے معنی میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جسے آدمی واجب الاتباع اور جس کے مقرر کرنے والے کو مطاع مانے۔ اس بنا پر اللہ کے مقرر کیے ہوئے اس طریقے کو دین کی نوعیت رکھنے والی تشریع کہنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی حیثیت محض سفارش (Recommendation) اور وعظ و نصیحت کی نہیں ہے، بلکہ یہ بندوں کے لیے ان کے مالک کا واجب الاطاعت قانون ہے جس کی پیروی نہ کرنے کے معنی بغاوت کے ہیں اور جو شخص اس کی پیروی نہیں کرتا وہ دراصل اللہ کی سیادت و حاکمیت اور اپنی بندگی کا انکار کرتا ہے۔

اب ہمارے سامنے دو سوالات آتے ہیں۔

ایک یہ کہ دین کو قائم کرنے سے مراد کیا ہے؟

دوسرے یہ کہ خود دین سے کیا مراد ہے جسے قائم کرنے اور پھر قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ؟ان دونوں باتوں کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

قائم کرنے کا لفظ جب کسی مادی یا جسمانی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد بیٹھے کو اٹھانا ہوتا ہے، مثلاً کسی انسان یا جانور کو اٹھانا۔ یا پڑی ہوئی چیز کو کھڑا کرنا ہوتا ہے، جیسے بانس یا ستون کو قائم کرنا۔ یا کسی چیز کے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کر کے بلند کرنا ہوتا ہے، جیسے کسی خالی زمین میں عمارت قائم کرنا لیکن جو چیزیں مادی نہیں بلکہ معنوی ہوتی ہیں ان کے لیے جب قائم کرنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اس چیز کی محض تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اس پر کماحقہ عمل درآمد کرنا، اسے رواج دینا اور اسے عملاً نافذ کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی حکومت قائم کی تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس نے اپنی حکومت کی طرف دعوت دی، بلکہ یہ ہوتے ہیں کہ اس نے ملک کے لوگوں کو اپنا مطیع کر لیا اور حکومت کے تمام شعبوں کی ایسی تنظیم کر دی کہ ملک کا سارا انتظام اس کے احکام کے مطابق چلنے لگا۔ اسی طرح جب ہم کہتے ہیں کہ ملک میں عدالتیں قائم ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انصاف کرنے کے لیے منصف مقرر ہیں اور وہ مقدمات کی سماعت کر رہے ہیں اور فیصلے دے رہے ہیں، نہ یہ کہ عدل و انصاف کی خوبیاں خوب خوب بیان کی جا رہی ہیں اور لوگ ان کے قائل ہو رہے ہیں۔ اسی طرح جب قرآن مجید میں حکم دیا جاتا ہے کہ نماز قائم کرو تو اس سے مراد نماز کی دعوت و تبلیغ نہیں ہوتی بلکہ یہ ہوتی ہے کہ نماز کو اس کی تمام شرائط کے ساتھ نہ صرف خود ادا کرو بلکہ ایسا انتظام کرو کہ وہ اہل ایمان میں باقاعدگی کے ساتھ رائج ہو جائے۔ مسجدیں ہوں۔ جمعہ و جماعت کا اہتمام ہو۔ وقت کی پابندی کے ساتھ اذانیں دی جائیں۔ امام اور خطیب مقرر ہوں۔ اور لوگوں کو وقت پر مسجدوں میں آنے اور نماز ادا کرنے کی عادت پڑ جائے۔ اس تشریح کے بعد یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آسکتی کہ انبیاء (علیہم السلام) کو جب اس دین کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس سے مراد صرف اتنی بات نہ تھی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں، اور اتنی بات بھی نہ تھی کہ وہ دوسروں میں اس کی تبلیغ کریں

تاکہ لوگ اس کا برحق ہونا تسلیم کر لیں بلکہ یہ بھی تھی کہ جب لوگ اسے تسلیم کر لیں تو اس سے آگے قدم بڑھا کر پورے کا پورا دین ان میں عملاً رائج اور نافذ کیا جائے تاکہ اس کے مطابق عمل درآمد ہونے لگے اور ہوتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ دعوت و تبلیغ اس کام کا لازمی ابتدائی مرحلہ ہے جس کے بغیر دوسرا مرحلہ پیش نہیں آسکتا۔ لیکن ہر صاحب عقل آدمی خود دیکھ سکتا ہے کہ اس حکم میں دعوت و تبلیغ کو مقصود کی حیثیت نہیں دی گئی ہے، بلکہ دین قائم کرنے اور قائم رکھنے کو مقصود قرار دیا گیا ہے۔ دعوت و تبلیغ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ضرور ہے، مگر بجائے خود مقصد نہیں ہے، کجا کہ کوئی شخص اسے انبیاء کے مشن کا مقصدِ وحید قرار دے بیٹھے۔

اب دوسرے سوال کو لیجیے :- بعض لوگوں نے دیکھا کہ جس دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تمام انبیاءؑ کے درمیان مشترک ہے، اور شریعتیں ان سب کی مختلف رہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا، اس لیے انہوں نے یہ رائے قائم کر لی کہ لامحالہ اس دین سے مراد شرعی احکام و ضوابط نہیں ہیں بلکہ صرف توحید و آخرت اور کتاب و نبوت کا ماننا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لانا ہے، یا حد سے حد اس میں وہ موٹے موٹے اخلاقی اصول شامل ہیں جو سب شریعتوں میں مشترک رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی سطحی رائے ہے جو محض سرسری نگاہ سے دین کی وحدت اور شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر قائم کر لی گئی ہے، اور یہ ایسی خطرناک رائے ہے کہ اگر اس کی اصلاح نہ کر دی جائے تو آگے بڑھ کر بات دین و شریعت کی اس تفریق تک جا پہنچے گی جس میں مبتلا ہو کر سینٹ پال نے دین بلا شریعت کا نظریہ پیش کیا اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی امت کو خراب کر دیا۔ اس لیے کہ جب شریعت دین سے الگ ایک چیز ہے، اور حکم صرف دین کو قائم کرنے کا ہے نہ کہ شریعت کو، تو لامحالہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح شریعت کو غیر اہم اور اس کی اقامت کو غیر مقصود بالذات سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے اور صرف ایمانیات اور موٹے موٹے اخلاقی اصولوں کو لے کر بیٹھ جائیں گے۔ اس طرح کے قیاسات سے دین کا مفہوم متعین کرنے کے بجائے آخر کیوں نہ ہم خود اللہ کی کتاب سے پوچھ لیں کہ جس دین کو قائم کرنے کا حکم یہاں دیا گیا ہے، آیا اس سے مراد صرف ایمانیات اور بڑے بڑے اخلاقی اصول ہی ہیں، یا شرعی احکام بھی۔ قرآن مجید کا

جب ہم تتبع کرتے ہیں تو اس میں جن چیزوں کو دین میں شمار کیا گیا ہے ان میں حسب ذیل چیزیں بھی ہمیں ملتی ہیں:

1) وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۔(البینہ:5)

"اور ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ یکسو ہو کر اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور یہی راست رو ملت کا دین ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ اس دین میں شامل ہیں، حالانکہ ان دونوں کے احکام مختلف شریعتوں میں مختلف رہے ہیں۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمام پچھلی شریعتوں میں نماز کی یہی شکل وہیت، یہی اس کے اجزاء، یہی اس کی رکعتیں، یہی اس کا قبلہ، یہی اس کے اوقات، اور یہی اس کے دوسرے احکام رہے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے متعلق بھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ تمام شریعتوں میں یہی اس کا نصاب، یہی اس کی شرحیں، اور یہی اس کی تحصیل اور تقسیم کے احکام رہے ہیں۔ لیکن اختلاف شرائع کے باوجود اللہ تعالیٰ ان دونوں چیزوں کو دین میں شمار کر رہا ہے۔

2) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ .... (المائدہ:3)

"تمہارے لیے حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا، اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو، نیز یہ

بھی تمہارے لیے حرام کیا گیا کہ تم پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو۔ یہ سب کام فسق ہیں۔ آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب احکام شریعت بھی دین ہی ہیں۔

3) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ (التوبہ:29)

"جنگ کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔"

معلوم ہوا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ حلال و حرام کے ان احکام کو ماننا اور ان کی پابندی کرنا بھی دین ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے دیے ہیں۔

4) اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النور:2)

"زانیہ عورت اور مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملہ میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔"

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ (یوسف:76)

یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ کے دین میں پکڑ لینے کا مجاز نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ فوجداری قانون بھی دین ہے۔ اگر آدمی خدا کے فوجداری قانون پر چلے تو وہ خدا کے دین کا پیرو ہے اور اگر بادشاہ کے قانون پر چلے تو وہ بادشاہ کے دین کا پیرو۔

یہ چار تو وہ نمونے ہیں جن میں شریعت کے احکام کو بالفاظِ صریح دین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن گناہوں پر اللہ تعالیٰ

نے جہنم کی دھمکی دی ہے (مثلاً زنا، سودخوری، قتلِ مومن، یتیم کا مال کھانا، باطل طریقوں سے لوگوں کے مال لینا، وغیرہ)، اور جن جرائم کو خدا کے عذاب کا موجب قرار دیا ہے (مثلاً عمل قوم لوط، اور لین دین میں قوم شعیب کا رویہ) ان کا سدِّ باب لازماً دین ہی میں شمار ہونا چاہیے، اس لیے کہ دین اگر جہنم اور عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے نہیں آیا ہے تو اور کس چیز کے لیے آیا ہے؟ اسی طرح وہ احکامِ شریعت بھی دین ہی کا حصہ ہونے چاہییں جن کی خلاف درزی کو خلود فی النار کا موجب قرار دیا گیا ہے، مثلاً میراث کے احکام، جن کو بیان کرنے کے بعد آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾ (النساء۔14)

"جو اللہ اور اسے کے رسول کی نافرمانی اور اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا، اللہ اس کو دوزخ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔"

اسی طرح جن چیزوں کی حرمت اللہ تعالیٰ نے پوری شدت اور قطعیت کے ساتھ بیان کی ہے، مثلاً ماں بہن اور بیٹی کی حرمت، شراب کی حرمت، چوری کی حرمت، جوئے کی حرمت، جھوٹی شہادت کی حرمت، ان کی تحریم کو اگر اقامتِ دین میں شامل نہ کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ غیر ضروری احکام بھی دے دیے ہیں جن کا اجراء مقصود نہیں ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے، مثلاً روزہ اور حج، ان کی اقامت کو بھی محض اس بہانے اقامت دین سے خارج نہیں کیا جاسکتا کہ رمضان کے 30 روزے تو پچھلی شریعتوں میں نہ تھے، اور کعبے کا حج تو صرف اس شریعت میں تھا جو اولاد ابراہیم کی اسماعیلی شاخ کو ملی تھی۔

دراصل ساری غلط فہمی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ آیت: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (ہم نے تم میں سے ہر امت کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ

مقرر کر دی) کا الٹا مطلب لے کر اسے یہ معنی پہنا دیے گئے ہیں کہ شریعت چونکہ ہر امت کے لیے الگ تھی، اور حکم صرف اس دین کے قائم کرنے کا دیا گیا ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک تھا، اس لیے اقامتِ دین کے حکم میں اقامتِ شریعت شامل نہیں ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس آیت کا مطلب اس کے بالکل برعکس ہے۔ سورۃ مائدہ میں جس مقام پر یہ آیت آئی ہے اس کے پورے سیاق وسباق کو آیت 41 سے آیت 50 تک اگر کوئی شخص بغور پڑھے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نبی کی امت کو جو شریعت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ اس امت کے لیے دین تھی اور اس کے دورِ نبوت میں اسی کی اقامت مطلوب تھی۔ اور اب چونکہ سیدنا محمد ﷺ کا دورِ نبوت ہے۔ اس لیے اُمتِ محمدیہ کو جو شریعت دی گئی ہے وہ اس دور کے لیے دین ہے اور اس کا قائم کرنا ہی دین کا قائم کرنا ہے۔ رہا ان شریعتوں کا اختلاف، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعتیں باہم متضاد تھیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جزئیات میں حالات کے لحاظ سے کچھ فرق رہا ہے۔ مثال کے طور پر نماز اور روزے کو دیکھیے۔ نماز تمام شریعتوں میں فرض رہی ہے، مگر قبلہ ساری شریعتوں کا ایک نہ تھا، اور اس کے اوقات اور رکعات اور اجزاء میں بھی فرق تھا۔ اسی طرح روزہ ہر شریعت میں فرض تھا مگر رمضان کے 30 روزے دوسری شریعتوں میں نہ تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ مطلقاً نماز اور روزہ تو اقامت دین میں شامل ہے، مگر ایک خاص طریقہ سے نماز پڑھنا اور خاص زمانے میں روزہ رکھنا اقامتِ دین سے خارج ہے۔ بلکہ اس سے صحیح طور پر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر نبی کی امت کے لیے اس وقت کی شریعت میں نماز اور روزے کے لیے جو قاعدے مقرر کیے گئے تھے انہی کے مطابق اس زمانے میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا دین قائم کرنا تھا، اور اب اقامتِ دین یہ ہے کہ ان عبادتوں کے لیے شریعتِ محمدیہ ﷺ میں جو طریقہ رکھا گیا ہے ان کے مطابق انہیں ادا کیا جائے۔ انہی دو مثالوں پر دوسرے تمام احکامِ شریعت کو بھی قیاس کر لیجیے۔

قرآن مجید کو جو شخص بھی آنکھیں کھول کر پڑھے گا اسے یہ بات صاف نظر آئے گی کہ یہ

کتاب اپنے ماننے والوں کو کفر اور کفار کی رعیت فرض کر کے مغلوبانہ حیثیت میں مذہبی زندگی بسر کرنے کا پروگرام نہیں دے رہی ہے، بلکہ یہ اعلانیہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے، اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دینِ حق کو فکری، اخلاقی، تہذیبی اور قانونی و سیاسی حیثیت سے غالب کرنے کے لیے جان لڑا دیں، اور ان کو انسانی زندگی کی اصلاح کا وہ پروگرام دیتی ہے جس کے بہت بڑے حصے پر صرف اسی صورت میں عمل کیا جا سکتا ہے جب حکومت کا اقتدار اہلِ ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ یہ کتاب اپنے نازل کیے جانے کا مقصد یہ بیان کرتی ہے کہ

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ اللَّهُ ۚ

(النساء۔105)

"اے نبی، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تم پر نازل کی ہے تا کہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اس روشنی میں جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے۔"

اس کتاب میں زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے جو احکام دیے گئے ہیں وہ صریحاً اپنے پیچھے ایک ایسی حکومت کا تصور رکھتے ہیں جو ایک مقرر قاعدے کے مطابق زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین تک پہنچانے کا ذمہ لے (التوبہ:60-103) اس کتاب میں سود کو بند کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اور سود خوری جاری رکھنے والوں کے خلاف جو اعلانِ جنگ کیا گیا ہے (البقرۃ:275-279) وہ اسی صورت میں روبعمل آ سکتا ہے جب ملک کا سیاسی اور معاشی نظام پوری طرح اہلِ ایمان کے ہاتھ میں ہو۔ اس کتاب میں قاتل سے قصاص لینے کا حکم (البقرہ:178) چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم (المائدہ:38) زنا اور قذف پر حد جاری کرنے کا حکم (النور:2-4) اس مفروضے پر نہیں دیا گیا ہے کہ ان احکام کے ماننے والے لوگوں کو کفار کی پولیس اور عدالتوں کے ماتحت رہنا ہوگا۔ اس کتاب میں کفار سے قتال کا حکم (البقرۃ: 190-216) یہ سمجھتے ہوئے نہیں دیا گیا کہ اس دین کے پیرو کفر کی حکومت میں فوج بھرتی کر کے اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ اس کتاب میں اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کا حکم (التوبہ: 29) اس مفروضے پر نہیں دیا گیا ہے کہ مسلمان کافروں کی رعایا ہوتے ہوئے ان سے جزیہ وصول کریں گے اور ان کی حفاظت کا ذمہ لیں

گے۔ اور یہ معاملہ صرف مدنی سورتوں ہی تک محدود نہیں ہے۔ مکی سورتوں میں بھی دیدۂ بینا کو اعلانیہ یہ نظر آ سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے جو نقشہ پیشِ نظر تھا وہ دین کے غلبہ و اقتدار کا تھا نہ کہ کفر کی حکومت کے تحت دین اور اہلِ دین کے ذمی بن کر رہنے کا۔

سب سے بڑھ کر جس چیز سے تعبیر کی یہ غلطی متصادم ہوتی ہے وہ خود رسول اللہ ﷺ کا وہ عظیم الشان کام ہے جو حضور ﷺ نے 23 سال کے زمانۂ رسالت میں انجام دیا۔ آخر کون نہیں جانتا کہ آپ نے تبلیغ اور تلوار دونوں سے پورے عرب کو مسخر کیا اور اس میں ایک مکمل حکومت کا نظام ایک مفصل شریعت کے ساتھ قائم کر دیا جو اعتقادات اور عبادات سے لے کر شخصی کردار، اجتماعی اخلاق، تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت اور صلح و جنگ تک زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی تھی۔ اگر حضور ﷺ کے اس پورے کام کو "اِقامتِ دین" کے اس حکم کی تفسیر نہ مانا جائے جو اس آیت کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام سمیت آپ کو دیا گیا تھا، تو پھر اس کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں۔ یا تو معاذ اللہ حضور ﷺ پر یہ الزام عائد کیا جائے کہ آپ مامور تو صرف ایمانیات اور اخلاق کے موٹے موٹے اصولوں کی محض تبلیغ و دعوت پر ہوئے تھے، مگر آپ ﷺ نے اس سے تجاوز کر کے بطورِ خود ایک حکومت قائم کر دی اور ایک مفصل قانون بنا ڈالا جو شرائعِ انبیاء علیہم السلام کی قدرِ مشترک سے مختلف بھی تھا اور زائد بھی۔ یا پھر اللہ تعالیٰ پر یہ الزام رکھا جائے کہ وہ سورۂ الشوریٰ میں مذکورہ بالا اعلان کر چکنے کے بعد خود اپنی بات سے منحرف ہو گیا اور اس نے اپنے آخری نبی سے نہ صرف وہ کام لیا جو اس سورۃ کے اعلان کردہ "اقامتِ دین" سے بہت کچھ زائد اور مختلف تھا، بلکہ اس کام کی تکمیل پر اپنے پہلے اعلان کے خلاف یہ دوسرا اعلان بھی کر دیا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا)، اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ۔ ان دو صورتوں کے سوا اگر کوئی تیسری صورت ایسی نکلتی ہو جس سے "اقامتِ دین" کی یہ تعبیر بھی قائم رہے اور اللہ یا اس کے رسول پر کوئی الزام بھی عائد نہ ہوتا ہو تو ہم ضرور اسے معلوم کرنا چاہیں گے۔

اقامتِ دین کا حکم دینے کے بعد، آخری بات جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد

فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ: لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ "دین میں تفرقہ نہ برپا کرو"، یا "اس کے اندر متفرق نہ ہو جاؤ"۔ دین میں تفرقہ سے مراد یہ ہے کہ آدمی دین کے اندر اپنی طرف سے کوئی نرالی بات ایسی نکالے جس کی کوئی معقول گنجائش اس میں نہ ہو اور اصرار کرے کہ اس کی نکالی ہوئی بات کے ماننے ہی پر کفر و ایمان کا مدار ہے، پھر جو ماننے والے ہوں انہیں لے کر نہ ماننے والوں سے جدا ہو جائے۔ یہ نرالی بات کئی طرح کی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین میں جو چیز نہ تھی وہ اس میں لا کر شامل کر دی جائے۔ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین میں جو بات شامل تھی اسے نکال باہر کیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین کی نصوص میں تحریف کی حد تک پہنچی ہوئی تاویلات کر کے نرالے عقائد اور انوکھے اعمال ایجاد کیے جائیں۔ اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دین کی باتوں میں ردّ و بدل کر کے اس کا حلیہ بگاڑا جائے، مثلاً جو چیز اہم تھی اسے غیر اہم بنا دیا جائے اور جو چیز حد سے حد مباح کے درجے میں تھی اسے فرض و واجب بلکہ اس سے بھی بڑھا کر اسلام کا رُکنِ رکین بنا ڈالا جائے۔ اسی طرح کی حرکتوں سے انبیاء (علیہم السلام) کی امتوں میں پہلے بھی تفرقہ برپا ہوا، پھر رفتہ رفتہ ان فرقوں کے مذاہب بالکل الگ مستقل ادیان بن گئے جن کے ماننے والوں میں اب یہ تصور تک باقی نہیں رہا ہے کہ کبھی ان سب کی اصل ایک تھی۔ اس تفرقے کا اس جائز اور معقول اختلاف رائے سے کوئی تعلق نہیں ہے جو دین کے احکام کو سمجھنے اور نصوص پر غور کر کے ان سے مسائل مستنبط کرنے میں فطری طور پر اہل علم کے درمیان واقع ہوتا ہے اور جس کے لیے خود کتاب اللہ کے الفاظ میں لغت اور محاورے اور قواعدِ زبان کے لحاظ سے گنجائش ہوتی ہے۔

صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلامی نظامِ حکومت کا ایک خاکہ پیش کیا ہے کہ اگر وہ اہل ایمان کو دنیا میں غلبہ، اقتدار اور حکومت عطا کرے تو پھر ان کی کارگزاری وہ ہوگی جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ لوگ کہ جب ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کر دیں تو وہ ﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز قائم کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی وجہ سے اہل ایمان کو روحانی فوائد کے علاوہ بہت سے مادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ تعلق باللہ تو روحانی فائدہ ہے جو نمازی کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وقت کی پابندی، احساس ذمہ داری جماعت بندی، ایک دوسرے سے میل ملاپ اور امداد باہمی جیسی خوبیاں نماز کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اہل ایمان کو زمین پر حکومت دیں گے تو وہ پہلا کام یہ کریں گے کہ نماز کا نظام قائم کریں گے۔ خود بھی نماز پر کاربند ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں گے۔ یہ ایسی عبادت ہے کہ ہر عاقل، بالغ، مرد اور عورت پر دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض ہے اور یہ حقوق اللہ میں داخل ہے۔

فرمایا برسرِ اقتدار جماعت کا دوسرا کام یہ ہوگا ﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی حقوق العباد میں شامل ہے اور اس کے ذریعے غریبوں اور محتاجوں کی اعانت کی جاتی ہے۔ اس نظام کی برکات سے کوئی شخص بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا۔ نظامِ زکوٰۃ حکومت کے مالیاتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے، لہٰذا کارپردازانِ حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود زکوٰۃ ادا کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں۔ نیز زکوٰۃ کی وصولی اور مصرف ایک باقاعدہ سکیم کے تحت عمل میں لائیں۔ یہ حکومت کے فرائض میں داخل ہوگا۔

اللہ نے فرمایا کہ امرائے حکومت کے کرنے کا تیسرا کام یہ ہوگا ﴿وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ کہ وہ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ خود تو اس اصول کی پابندی کریں گے مگر دوسروں سے پابندی کروانا بھی ان کے فرائض منصبی میں داخل ہوگا۔ نیکی میں تمام معروف چیزیں آجاتی ہیں اور برائی میں ہر نقصان دہ چیز شامل ہے۔ برائی خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو، اخلاق یا اعمال سے، اس سے روکنا ضروری ہے۔ اگر کوئی حکومت برائی کو روکنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو پھر دنیا سے فتنہ و فساد ختم ہو جائے گا اور پورا خطہ امن کا گہوارہ بن جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے نظامِ حکومت کے متعلق ان چار بنیادی اصولوں یعنی اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کر دیا ہے۔ ان میں انفرادی اور اجتماعی سارا

نظام آجاتا ہے۔ ان پر عملدرآمد سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل جیسے روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انسان حقوق اللہ میں سُرخرو ہوتا ہے تو دوسری طرف دنیا کی زندگی میں سکون وچین حاصل ہوکر حقوق العباد کے تقاضے بھی پورے ہوجاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ حکومت کا مکمل نقشہ صرف خلافتِ راشدہ کے دور میں ملتا ہے۔ اس کے بعد زمان ومکان میں اس کا جستہ جستہ اثر نظر آتا ہے وگرنہ مجموعی طور پر مسلمان ملوکیت کا شکار ہوگئے، جبر واستبداد کا دَور دورہ شروع ہوگیا۔ امراء کی عیاشیوں کی وجہ سے ایک طبقہ بالکل نادار ہوگیا، نیکی مغلوب اور شر غالب آگیا۔ اور اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زرّیں اصول فراموش کردیا گیا۔ اب مسلمان بحیثیت مجموعی انحطاط کے دور سے گزر رہے ہیں۔ دنیا میں جس جگہ محکوم ہیں وہاں تو اسلامی نظام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جہاں جہاں علاقائی طور پر مسلمان غالب بھی ہیں۔ اور ان کی ریاستیں بھی موجود ہیں۔ وہاں بھی اسلامی نظام حکومت کی جھلک مشکل سے ہی نظر آتی ہے۔ بعض ملکوں نے اسلام کے کچھ اصول اپنائے ہیں مگر کچھ تو اپنی نااہلی اور ذاتی مفاد کی وجہ سے اور کچھ غیر مسلم بڑی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ سے مکمل اسلامی نظام حکومت کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ:

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب کہ خلافتِ راشدہ کا بوجھ اٹھانے والے آیت میں مذکور تمام شرائط پر پورا اتریں گے۔ اللہ نے یہ خلافت قائم کرنے والوں کی نشاندہی بھی فرمادی ہے، گزشتہ آیت میں گزر چکا ہے کہ ان صفات کے حاملین وہ لوگ ہوں گے ﴿اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ﴾ جن کو ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا ان کا قصور صرف یہ تھا ﴿اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یہ وہی پاکیزہ روحیں ہیں جنہیں مشرکین کی زیادتی سے تنگ آکر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اس بات کا اشارہ اللہ نے سورۃ توبہ میں بھی

کردیا ﴿وَ السّٰبِقُوْنَ... وَ الْاَنْصَارِ﴾ (آیت 100) یہ اوّلین سبقت کرنے والے مہاجر لوگ تھے جو مدینے پہنچے تو انصار ان کے معاون بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے خلافتِ راشدہ انہی مہاجرین کے ذریعے قائم کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور علی مرتضی رضی اللہ عنہ سب مہاجرین ہی تو تھے۔ جب اللہ نے انہیں اقتدار عطا فرمایا تو انہوں نے اس آیت کے تقاضوں کو حرف بحرف پورا کیا۔ خلافتِ راشدہ میں اقامتِ صلوٰۃ کا اتنا اعلیٰ انتظام تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (موطا امام مالک ص5) نے اپنے تمام گورنروں کو سرکلر جاری کیے ﴿اِنَّ مِنْ اَهَمِّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوةُ﴾ (موطا امام مالک) تمہارے تمام امور میں میرے نزدیک نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی وہ باقی دین کی حفاظت بھی کرے گا، اور جس نے نماز کو ضائع کردیا۔ وہ دین کے باقی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ نماز کے لئے ایسا مکمل نظام ہونا چاہیے کہ کوئی فرد واحد بھی بے نماز نہ ہو۔ خلافتِ راشدہ کے پورے دور میں آپ کو یہ نظام روزِ روشن کی طرح ملے گا۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کا ایسا عمدہ نظام قائم کیا کہ زکوٰۃ قوم کے امراء سے وصول کرکے غرباء میں تقسیم کی جاتی تھی تاکہ کوئی آدمی بھوکا پیاسا نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم ص:36 ج:1) (فیاض) کا ارشاد ہے ﴿تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِ كُمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَاءِ كُمْ﴾ مسلمانوں کے خوشحال لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرو اور محتاجوں میں تقسیم کردو۔

چنانچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ کا مثالی نظام قائم کیا۔ حتیٰ کہ ایک زمانے میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔ اس زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام بھی اعلیٰ پیمانے پر کیا گیا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ہر نیکی کے کام کی حوصلہ افزائی کی اور ہر برائی کی جڑ بنیاد کاٹ دی۔ غرضیکہ اس آیت میں مذکورہ چاروں کام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کما حقہٗ انجام دیے۔ اسی لئے ان کی خلافت کو "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کہا جاتا ہے۔

استاد محمد مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

شام کے استاد محمد مبارک رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب: الفکر الاسلامی

الحدیث فی مواجھۃ الافکار الغربیہ، میں اس پہلو کے بارے میں بڑی عمیق گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"ہمارے موجودہ دور میں مسلم کامل اس کو کہا جاتا ہے جو عبادات بمعنی پوجا پاٹ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے سوا کسی کام میں دخل نہ دیتا ہو۔ اپنی خانقاہ میں بیٹھا ہو، اس سے باہر نہ نکلتا ہو۔ اور ہر وقت اپنے ذکر و اذکار میں مصروف ہو۔ عبادت کی یہ صورت قطعی طور پر اس صورت کے مطابق نہیں ہے جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا تھے۔ اگر ان کی زندگی کا ایک بڑا جزء عبادت تھا تو جہاد بھی اس کے صفحات کو بھرے ہوئے تھا۔ معاشرے کو غلط عقائد سے آزاد کرنے کا جہاد، صحیح عقائد کو دلوں میں بٹھانے کا جہاد، معاشرے کو ظالم کے ظلم و استبداد سے نجات دلانے کا جہاد، کمزوروں کی مدد کا جہاد اور لوگوں کے درمیان عدل کے قیام کا جہاد، اس طرح ایک مسلمان کی زندگی بھی ناقص اور مضطرب رہتی ہے جو جہاد اور معاشرتی اصلاح میں تو مشغول رہتا ہو مگر وہ عبادت اور تعلق باللہ سے خالی ہو۔"

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

سرکشی اور ظلم ہر معاشرے میں ہوتے رہتے ہیں اس لئے کہ ہر معاشرے میں شریر، مفسد اور منحرف لوگ ہوتے ہیں، یہ زمین کسی بھی وقت شر و فساد سے خالی نہیں رہ سکتی۔ معاشرے کے اندر ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی روش نرالی ہوتی ہے لیکن معاشرے کا اجتماعی مزاج شر اور منکر کو برداشت نہیں کرتا اور سرکشی اور ظلم کو معاشرے کے مسلمات قرار پانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے سرکشی اور ظلم کا ارتکاب کسی بیدار معاشرے کے اندر بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح زندہ معاشروں کے اندر برائی کا ارتکاب مشکل ہوتا ہے اور معاشرہ اجتماعی طور پر شر کے خلاف ردِ عمل ظاہر کرتا ہے۔ اور جرائم کم ہو جاتے ہیں اس طرح معاشرے کے اجتماعی بندھن مضبوط ہوتے ہیں اور برائی چند افراد کے اندر محدود ہوتی ہے۔ معاشرہ ان کا پیچھا کر رہا ہوتا ہے اور انہیں جمنے نہیں دیتا

۔ ایسے حالات میں فحاشی اور منکر شائع نہیں ہوتے۔ پھیلتے نہیں بلکہ سکڑتے ہیں اور یہ معاشرے کے اجتماعی ضمیر اور مزاج کی وجہ سے ہوتا ہے...... قرآن' اسلامی نظام جماعت کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ اس کا ایک مضبوط اجتماعی وجود ہونا چاہیے اور اس وجود کے اندر اس قدر قوتِ دفاع ہونی چاہیے کہ وہ سرکشی اور ظلم کو برداشت ہی نہ کرے' چہ جائیکہ وہ معاشرے کی ایک عام روش ہو جائے۔ اسلامی معاشرے کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اسے بڑی سختی سے سچائی پر قائم ہونا چاہیے اور باطل کے بارے میں سخت حساس ہونا چاہیے۔ دین کے ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ اس امانت کی حفاظت کریں جس کے وہ امین اور محافظ ہیں۔ اور شر، فساد سرکشی اور ظلم کی راہ روکیں اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ چاہے یہ شر ایسے حکام کی جانب سے ہو جن کا حکومت پر تسلط ہو یا ایسے سرمایہ داروں کی طرف سے ہو جنہوں نے دولت جمع کر کے اثر و رسوخ حاصل کر لیا ہو یا ایسے شر پسندوں کی طرف سے ہو جن کو معاشرے میں ایذا رسانی کی قوت حاصل ہو یا ایسے عوام کی جانب سے ہو جو بے راہ رو ہیں۔ اسلامی نظام بہر حال خدائی نظام ہے اور اس کے خلاف اٹھنے والے با اثر ہوں یا بے اثر ہوں وہ سب باغی تصور ہوں گے۔

اسلام اس فرض کی ادائیگی پر بہت ہی زور دیتا ہے۔ اگر معاشرے کا اجتماعی وجود کسی شر کے خلاف آواز نہیں اٹھاتا تو اسلام پورے معاشرے کو مجرم گردانتا ہے۔ جس طرح ایک ایک فرد ذمہ دار ہے اسی طرح برائی کے خلاف اٹھنے کی ذمہ داری بھی پورے معاشرے پر عائد ہوتی ہے۔ (المائدہ: 79)

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

ہر ذی شعور مسلمان کا اولین فرض ہے کہ وہ اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اپنی پوری زندگی اس کی کامل اطاعت میں دے دے (جو لازماً اطاعت رسول ﷺ ہی کے واسطے سے ہوگی) اس رویے کا نام عبادتِ رب ہے جو کہ ہر انسان سے اللہ کا پہلا مطالبہ ہے اور جس کی طرف نوعِ انسانی کو دعوت دینے کے لیے تمام انبیاء و رسل مبعوث ہوئے اور جو از روئے قرآن جنوں اور انسانوں کا عین مقصدِ تخلیق ہے۔ اس کے ساتھ ہی، اس پر لازم ہے کہ اپنی صحت و قوت، فرصت و فراغت، صلاحیت و استعداد، مال و دولت اور وسائل و ذرائع کا زیادہ

سے زیادہ حصہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل، دعوتِ الی اللہ اور تبلیغ دین، نصرتِ خدا اور رسول ﷺ اور حمایت و اقامتِ دین اور شہادتِ علی الناس اور اظہارِ دین علی الدین کلِّہ کے لیے وقف کر دے۔

(حوالہ "تعارف تنظیم اسلامی صفحہ 93 ایڈیشن اپریل 2023")

مولانا صدرالدین اصلاحی کی رائے:

اسی طرح اس امت کے لیے دنیوی عزت و اقبال کی بازیافت کی راہ بھی اس کے سوا کوئی دوسری نہیں، جس کا نا قابلِ انکار ثبوت قرآن مجید کا وہ ارشاد ہے جو اس نے ذلت و مسکنت کے مارے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا تھا:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○

"اگر (اس سرکشی کے بجائے) اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دیتے اور انہیں نعمت بھری جنتوں میں داخل کر دیتے۔ اور اگر وہ تورات و انجیل کو اور ان (صحیفوں) کو جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے بھیجے گئے تھے قائم رکھتے تو وہ خوب کھاتے (پیتے ان کے) اوپر سے (رزق برستا) اور نیچے سے (ابلتا)۔ ان میں سے ایک گروہ میانہ رو (بھی) ہے لیکن ان میں اکثر (ایسے بدکردار ہیں کہ) جو کچھ کرتے ہیں (برائی ہی) برائی ہے۔"

یہ تھی وہ تدبیر جس کے ذریعے امتِ اسرائیل کو اس کا کھویا ہوا اقبال واپس مل سکتا تھا۔ اس ارشادِ قرآنی کی روشنی میں امت مسلمہ کا معاملہ بھی کچھ مشکل نہیں رہ جاتا، مرض کی یکسانی چاہتی ہے کہ علاج بھی ایک ہی ہو۔

فریضۂ اقامتِ دین

اقامتِ دین ـــــ اسلاف کا تعامل

مضمون کی طوالت کے باعث اس حصہ میں ہم بہت مختصراً اسلاف کی اس مساعی کا ایک طائرانہ جائزہ پیش کریں گے جس میں ہمارے اسلاف نے علمی و سیاسی سطح پر دین کو قائم رکھنے اور کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن اس سے قبل یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام کو غالب کرنے کی منظم جدوجہد فرمائی (اور غلبۂ اسلام کی اس عظیم مساعی کا جامع عنوان تھا، جہاد فی سبیل اللہ) اور 23 سالہ عظیم مساعی سے جزیرہ نمائے عرب میں دینِ اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرما دیا۔ یعنی کل جنسِ دین (نظامِ زندگی) پر دینِ اسلام غالب آ گیا۔

تحفظ وفریضۂ اقامتِ دین کی مساعی میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا کردار

آپ ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اسلام کو غالب رکھا اور غلبۂ اسلام کو مزید توسیع دی اور یہ شجر خوب برگ وبار لایا۔ یہاں تک کہ انسانیت کی معراج یہی نظامِ زندگی تھا۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اسلام کے عدل وقسط کی جو مثالیں قائم کیں، اس کی نظیر دینے سے دنیا آج تک قاصر ہے اور اپنے طرزِ حکمرانی سے اس بات کو ثابت کیا کہ "اقامتِ دین" سے مقصود صرف حصولِ حکومت نہیں ہے بلکہ غلبۂ اسلام ہے۔ البتہ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم ﷺ کی معیت میں "دین کو قائم کرنے" کے بعد اسے "قائم رکھنے کے لیے" علمی وسیاسی لحاظ سے ایک عظیم جدوجہد فرمائی اور اسے ترجیح اوّل کے طور پر رکھا۔ ذیل میں ہم بخوفِ طوالت چند اشارات سے کام لیں گے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مساعیٔ اقامتِ دین:

(1) نبی اکرم ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اقامت واحیاء دین کے لیے ایک مضبوط چٹان کی مانند کھڑے ہوگئے۔

- لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا جس سے مقصود توسیع غلبۂ دین کا وہ مبارک کام تھا جس کی بنیاد آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے رکھ گئے تھے۔
- فتنہء ارتداد کا خاتمہ فرمایا۔
- منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف تادیبی کارروائی فرمائی۔
- قرآن مجید کی جمع وتدوین کا اہتمام فرمایا۔

(2) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت نے غلبۂ اسلام کو جو استحکام بخشا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غلبۂ اسلام کی توسیع میں ایک مضبوط بنیاد میسر آگئی اور آپ کا دورِ خلافت اسلام کا سب سے سنہری دور ثابت ہوا۔ چنانچہ غلبہ واقامتِ دین کی توسیع کے حوالے سے اس دور کے نمایاں نکات درج ذیل ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی غلبۂ دین کے لیے مساعیٔ جمیلہ:

☆ سلطنتِ اسلام کا داخلی استحکام اور اس کے لیے اقدامات:

- مجلسِ شوریٰ کی تشکیل
- صوبہ جات کی تقسیم اور صوبائی عہدے دار۔
- عہدیداروں کے انتخاب کا معیار اور ان کی تربیت کا اہتمام۔
- عہدیداروں کے اختیارات، فرائض اور ان کے احتساب کا طریق کار۔
- محکمہ عدل وانصاف
- محکمہ محاصل
- محکمہ آب پاشی وزرعی اصلاحات، نہروں، راستوں کا بندوبست۔
- حکومت کے ذرائع آمدنی اور بیت المال کا قیام اور اس کی حفاظت۔
- شعبۂ تعلیم، مساجد کی تعمیر، حرم اور مسجد نبوی ﷺ کی توسیع اور اسلام کی تبلیغ کے لیے اہتمام۔
- رفاہ وکفالتِ عامہ (رعایا کی خبر گیری، عام حالات میں رعایا کی بہبود کے لیے اقدامات، یتیم اور لاوارث بچوں کی پرورش، مساوات)
- عدل وانصاف کی فراہمی کے لیے ایک مربوط عدالتی نظام تشکیل دیا۔
- غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ، جزیہ اور جزیہ کی وصولی کا طریق کار بہتر بنانا۔
- محکمہ دفاع، باقاعدہ منظم فوج کا قیام، فوجی چھاؤنیوں کا قیام، فوج کی تنخواہیں اور ان کے لیے دیگر مراعات۔

☆ غلبۂ اسلام (اقامتِ دین) کی توسیع کیلئے" جہاد فی سبیل اللہ" کا عمل (فتوحات)

سلطنتِ فارس (ایران) پر غلبۂ اسلام (اقامتِ دین)

- جنگِ نمارق، جنگِ جسر، جنگِ بویب، جنگِ قادسیہ، جنگِ مدائن، معرکۂ جلولا، تکریت اور اہواز کی فتح، رامہز اور تستر کی فتح، جنگ نہاوند اور مکمل ایران کی تسخیر۔

سلطنتِ روم پر غلبہ اسلام (اقامتِ دین)۔

- فتح دمشق، فتحِ اُردن، جنگِ یرموک، حلب، قنسرین اور انطاکیہ کی فتح، بیت المقدس کی فتح، مصر، طرابلس اور برقہ کی فتح، سلطنت رومہ کے اکثر مقبوضات کا خاتمہ۔
- دیگر اہم فتوحات برائے غلبۂ اسلام (اقامتِ دین)
- آرمینیا کی جنگ، کرمان اور سیستان کی جنگ، خراسان کی فتح، اسکندریہ کی فتح، مکران اور سندھ کی مہمات۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی اقامتِ دین کے لیے مساعئ جمیلہ

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غلبۂ اسلام (اقامتِ دین) کے لیے اپنے پیش رو خلفاء کے طرزِ عمل کو جاری رکھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے سلطنت کا داخلی استحکام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرز پر قائم رکھا اور چند ایک انتظامی تبدیلیاں فرمائیں۔ البتہ آپ کے دور میں غلبۂ اسلام کے حوالے سے ہونے والے نمایاں اقدامات درج ذیل ہیں:

- تجمیع و تحفیظ قرآن حکیم۔
- مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں توسیع۔
- بیت اللہ میں توسیع۔
- مدینہ منورہ کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لیے بند کی تعمیر۔

☆ غلبۂ اسلام (اقامتِ دین) کے لیے "جہاد فی سبیل اللہ" کی مساعی جمیلہ۔(فتوحات)

- آرمینیا اور آذربائیجان میں بغاوت کا خاتمہ
- رومیوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ۔
- شمالی افریقہ کی فتوحات۔
- طرابلس کی فتح۔
- اسکندریہ کی بغاوت کا خاتمہ۔
- فارس، خراسان اور طبرستان میں فتوحات اور یزدگرد کا خاتمہ۔
- مصر کی بغاوت کا خاتمہ۔
- بحری مہمات: اناطولیہ اور قبرص کی فتوحات۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد غلبۂ اسلام کے عمل میں عارضی تعطل:

"فتنۂ سباء" نے سر اٹھایا اور عارضی طور پر غلبۂ اسلام کی توسیع کا یہ عمل رک سا گیا اور بد قسمتی سے مسلمانوں کے مابین خون ریز جنگیں ہوئیں۔جس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں سلطنتِ اسلام داخلی مسائل سے دوچار رہی اور بالآخر خلافت سے ملوکیت کا سفر طے ہوا۔

خلافتِ راشدہ کا دورِ جمیل نبوت کا تتمہ اور عکاس تھا۔واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی اجتماعیات کو جس بلندی و رفعت پر پہنچایا آج کا انسان اس کے تصور سے بھی عاری ہے۔آج کا انسان" مغربی جمہوریت" کو معراجِ انسانیت سمجھ رہا ہے جس میں" بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"۔کہاں وہ تصور عظیم کہ، اللہ کے بندوں کو انسانوں کی بندگی و غلامی سے نجات دلا کر، قومیت، علاقائیت، لسانیت، نسلیت اور تعصب ایسے مہیب اندھیروں سے نکال کر خالص نظریاتی سطح پر انسانی اجتماعیات کو تشکیل دینا۔جس میں "لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰی عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰی أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰی أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰی كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ" کی اعلیٰ و ارفع صدا اور کہاں انسانیت کو قومیتوں، لسانیت، علاقیت، وطنیت میں تقسیم کرنے، خدا بیزار، مذہب بیزار اور انسانیت کی باہمی دشمنی پر مبنی سرمایہ داروں اور سرمایہ دارانہ نظام کے زور پر چلنے والی جمہوریت۔

حقیقت یہ ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا حسین وجمیل دور امت کے حافظہ میں ایک "حسین خواب" کی مانند محفوظ رہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی تو اس تبدیلی کو صحابہ کرام ؓ نے بہت شدت سے محسوس کیا اور اس کی بحالی کے لیے شروعات میں ہی صاحب عزیمت افراد نے بھرپور کوشش کی۔ یہ بات مستحضر رہے کہ اس دور میں جتنا کچھ بدلا تھا اور جتنے کچھ میں اصلاح احوال کی ضرورت تھی اتنی ہی کوشش ان اصحاب عزیمت نے فرمائی اور ایسا کچھ نہیں ہوا تھا کہ سارے کا سارا دین ہی زمین بوس ہو گیا ہو بلکہ بقول شاہ اسمٰعیل شہید ؒ دین کی چھ منزلوں میں سے اوپر کی منزل یعنی شورائیت کا نظام ختم ہوا تھا، جس کی جگہ خاندانی بادشاہت نے لے لی تھی، جبکہ ابھی باقی نظامِ زندگی دینِ اسلام کے مطابق ہی چل رہا تھا۔ مگر صحابہ کرام ؓ دین میں ادنیٰ سے ادنیٰ تبدیلی کو بھی برداشت نہ فرماتے۔

اصحابِ عزیمت کی کوششیں

- چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلے جناب سیدنا حسین ؓ اٹھے اور بھرپور آواز اٹھائی۔ یہاں تک کہ اس راہ میں اپنی جان مع اہل وعیال کے جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے عزیمت کی وہ درخشاں مثال قائم فرما گئے کہ رہتی دنیا تک لوگ اسے یاد رکھیں گے۔
- حضرت حسین ؓ کے بعد جناب سیدنا عبداللہ ابن زبیر ؓ اٹھے اور انہوں نے بھی اس راہِ شہادت کا مرتبہ عظیم پایا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کا دورِ مبارک

دورِ بنوامیہ میں اور بھی اصحابِ عزیمت اسی کوشش میں رہے کہ اسلام کے اس دورِ حسین کی بازیافت ہو سکے اور اس دور کی نہایت اعلیٰ شخصیت جناب عمر بن عبدالعزیز ؒ نے دوبارہ اس حسین وجمیل خواب کو تازہ کرنے کی مساعیٔ جمیلہ فرمائی جس کا مختصراً احوال کچھ یوں ہے:

- جناب عمر بن عبدالعزیز ؒ کی دین کا تحفظ اور قائم رکھنے (اقامتِ دین) کی مساعیٔ جمیلہ۔

- 37 سال کی عمر میں 99ھ میں آپ ؒ کو سلیمان بن عبدالملک نے اپنا جانشین نامزد کیا۔ آپ ؒ نے بیعت لیتے وقت ہی خلافتِ راشدہ کے اصول شورائیت کو زندہ کر دیا۔ اور لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنی رضا سے چاہیں تو اہل سمجھتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ آپ ؒ کے پہلے خطبہ کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"لوگو! مجھ پر خلافت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے اس سلسلے میں نہ عام مسلمانوں سے رائے لی گئی ہے اور نہ مجھ سے پوچھا گیا ہے۔ میں خلافت کا خواہاں نہیں تھا۔ میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے، میں تمہیں اس سے آزاد کرتا ہوں۔ اب تم جس کو پسند کرلو اسے اپنا خلیفہ مقرر کرلو۔"

لوگوں نے آپ ؒ کی خلافت پر اتفاق فرمایا اور بیعت کرلی۔ بیعت کے فوراً بعد آپ ؒ نے اپنا پہلا خطبہ دیا جس میں احیائے اسلام کے حوالہ سے اپنے عزم کا اظہار فرمایا۔

"اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کے ذریعے جو احکامات بھیجے ہیں وہ قیامت تک کے لیے حرف آخر ہیں۔ میں اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا بلکہ صرف احکامِ الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں۔ لوگو! جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں، میں تم میں سے ممتاز شخص نہیں ہوں بلکہ معمولی شخص ہوں، البتہ اللہ نے مجھے تمہارے مقابلے میں زیادہ ذمہ دار بنا دیا ہے۔" (طبقات ابن سعد)

آپ ؒ نے تحفظ واقامتِ دین کے لیے جو اصلاحات فرمائیں ان میں نمایاں درج ذیل ہیں:

- آپ ؒ نے خلافتِ راشدہ کا دوبارہ احیاء فرمایا۔
- آپ ؒ نے خلفاء راشدین ؓ کا سا طرزِ زندگی اختیار فرمایا۔ اور جو طریقے قیصر و کسریٰ کی طرزِ بادشاہت سے مسلمان بادشاہوں میں رواج پا گئے تھے سب کو ترک کر ڈالا۔

- اس کے بعد مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے امتیازات کو ختم کر ڈالا اور مسلمانوں میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہونے والی مساوات قائم فرمائی۔
- غصب شدہ اموال و جائیدادوں کو ان کے اصل مالکوں کے حوالے کیا اور اپنے خاندان سے حکومتی جاگیریں واپس لے لیں۔
- ظالم گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ صالح اور خدا ترس گورنروں کو تعینات کیا۔
- ظالمانہ ٹیکسوں کا خاتمہ فرمایا اور نظامِ زکوٰۃ کی اصلاح فرمائی۔
- غیر مسلم رعایا سے حسنِ سلوک اختیار فرمایا اور ان پر ہونے والے مظالم کا خاتمہ فرمایا۔
- عدالتی نظام کو حکومتی اثر و رسوخ سے آزاد کر کے اس میں دورِ فاروقی کی عادلانہ شان پیدا فرمائی۔
- علمِ حدیث کو مدوّن کرنے کے سرکاری احکامات جاری فرمائے۔
- اتباعِ شریعت کی روح کو تازہ فرمایا اور عوام الناس کی تربیت کا بندوبست فرمایا جس سے ان میں دوبارہ خوفِ الٰہی و فکرِ آخرت عام ہونے لگا۔

ان چند الفاظ میں اگرچہ آپ رحمہ اللہ کی عظیم جدوجہد کا احاطہ نہیں ہو سکتا مگر کچھ اندازہ ضرور ہو سکتا ہے اور ہمارا مقصود اس مضمون سے صرف اتنا ہے کہ ہم اقامت و تحفظِ دین کی مساعی کا ایک خاکہ پیش کر سکیں۔ وگرنہ یہ مضمون بہت طویل ہے اور جس قدر الفاظ میں لکھنا آسان ہے اسی قدر قربانیوں میں پیش کرنا مشکل ہے یہاں تک کہ آپ رحمہ اللہ نے اس کام میں اپنی جان تک قربان کر دی اور صرف دو سال کی قلیل مدت کے بعد شہادت کا رتبہ پایا۔

تحفظ و اقامتِ دین کی مساعی کے لیے حضرت زید ابن علی رحمہ اللہ، نفس زکیہ رحمہ اللہ اور سید ابراہیم رحمہ اللہ جیسے اولوالعزم لوگ اٹھے اور ان کی بات کی تصدیق اس وقت کے فقہاء و علماء نے بھی کی اور اپنے بس پڑتے ان کا ساتھ بھی دیا۔

(ابن الاثیر، عزالدین ابی الحسن علی، الکامل فی التاریخ، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ)

تحفظ و اقامتِ دین کی مساعی میں ائمہ اربعہ اور ان کے شاگردوں کا کردار

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ: جیسا کہ عرض کیا گیا کہ خلافتِ راشدہ کی حسین یادیں ہر مسلمان کے دل میں پیوست تھیں اور ہر مسلمان کی خواہش تھی کہ وہ نظامِ زندگی جو اسلام کی حقیقی تصویر تھا دوبارہ بحال ہو جائے اور اس کارِ عظیم کے لیے جو بھی صدا بلند کرتا اور سعی شروع کرتا اہلِ حق اس کا ساتھ دینے کو سعادت سمجھتے تھے۔

- چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بھی، زید بن علی رحمہ اللہ، نفس زکیہ رحمہ اللہ اور سید ابراہیم رحمہ اللہ اور ایسے اولوالعزم لوگوں کا ساتھ دیا جو خلافتِ راشدہ کے دور کی بحالی چاہتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، ابو جعفر منصور کے مقابلے میں علی الاعلان ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے خروج کی حمایت فرماتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ کے براہ راست شاگرد امام زفر بن ہذیل کی یہ شہادت ہے کہ:

  "كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يَجْهَرُ بِالْكَلَامِ اَيَّامَ اِبْرَاهِيْمَ جِهَارًا شَدِيْدًا۔"

  "ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے زمانے میں (ابراہیم کی حمایت میں) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علانیہ بلند آواز سے گفتگو فرماتے اور بہت زیادہ بلند آواز میں"

  نہ صرف یہ بلکہ امام صاحب لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتے کہ ابراہیم کا ساتھ دیں۔
- آپ رحمہ اللہ نے اس مرحلے پر امتِ مسلمہ کی رہنمائی فرمائی اور اپنے قول و عمل سے اہلِ حق کا ساتھ دیا۔ آپ رحمہ اللہ اس کام کو کتنی اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ ہمیں اس بات سے ہو سکتا ہے کہ کوفہ کے مشہور محدث ابراہیم بن سوید کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے خروج کے زمانے میں دریافت کیا کہ حج جو فرض ہے اس کے ادا کرنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے کہ (نفلی) حج کرنا بہتر

ہے یا اس شخص یعنی ابراہیم کی رفاقت میں حکومت سے مقابلہ کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے۔ ابراہیم بن سوید کہتے ہیں کہ سننے کے ساتھ میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ "اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج (نفلی) سے زیادہ افضل ہے۔"

(بحوالہ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

- امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کا ساتھ دیا اور اس کی خبر حکومتِ وقت کو ہوئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حکومتی عہدے قبول کرنے سے بھی اسی وجہ سے متعدد بار انکار فرمایا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اسے حق کام نہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کوڑوں کی سزا برداشت کرنی پڑی تو کبھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قید و بند کی حالت میں اپنی جان تک اللہ کی راہ میں قربان کر دی اور شہادت کا عظیم رتبہ پایا۔
- آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہِ اسلامی کی تدوین کے لیے چالیس فقہاء کی ایک مجلس تشکیل دی جس میں لاکھوں مسائل کو جن کا تعلق انفرادی و اجتماعی زندگی سے ہے مدون کیا گیا۔ اور ایک روایت کے مطابق اس مجلس میں پانچ لاکھ کے قریب مسائل مدون کیے گئے۔
- امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علمی میدان میں اسلام کے غلبہ کے لیے ایک عظیم سعی فرمائی اور قانونِ اسلامیہ کی تشکیل و تدوین میں ایسا کارنامہ انجام دیا جس سے اسلامی حکومتوں کی رہنمائی ہوئی اور آپ نے کلیات سے جزئیات اور اصول سے فروع مستنبط کرنے کا کام کیا جس کی روشنی سے بعد میں آنے والے تمام مجتہدین نے فائدہ اٹھایا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ "امام اعظم" کہلائے۔
- آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی معاشرت، معیشت، سیاست اور قانونی پہلوؤں سے فقہی ضروریات کو پورا کیا اور کمال یہ ہے کہ یہ سارا کام بغیر کسی حکومتی مداخلت و اعانت کے فرمایا۔
- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے چار شاگرد مشہور ہوئے جن میں دو نے خوب شہرت پائی اور فقہ حنفی کی تشکیل میں ان کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہے۔ ان میں امام محمد حسن شیبانیؒ اور امام ابو یوسفؒ شامل ہیں۔ امام محمدؒ جو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں کے شاگرد ہیں، نے فقہ حنفی کی بنیادی کتب مدون کیں جن میں انفرادی مسائل سے لے کر ریاست کے اجتماعی

مسائل تک زیرِ بحث لائے گئے ہیں اور اس وقت کی اسلامی حکومتوں اور بادشاہوں کی اصلاح و معاونت کی گئی ہے۔ مثلاً "کتاب السیر"۔ انٹرنیشنل لاء پر ہے جو اس وقت کی ضرورت تھی اور اس کی تصنیف پر بادشاہِ وقت نے جشن منایا تھا۔ اسی طرح "کتاب الخراج" میں اسلامی حکومت کے مالی مسائل و ریاستی خزانہ کے متعلق رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ علمی سطح پر اسلام کے غلبہ کے حوالہ سے یہ نہایت اہم کام تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ حدیث کی خدمت سرانجام دی اور قانونی اعتبار سے حدیث سے ضروریاتِ سلطنت کی رہنمائی فرمائی۔ اور ساتھ ساتھ علمِ حدیث کا تحفظ فرمایا۔ اور حکومتِ وقت کے غیر شرعی کاموں کی ڈٹ کر مخالفت کی یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم انسان کو چہرہ سیاہ کر کے گدھے پر مدینہ کی گلیوں میں پھرایا گیا اور ایسی سزا دی گئی کہ آپؒ کے شانے اُتر گئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اصولِ فقہ مرتب فرمائے اور "الرسالہ" جیسی عظیم الشان کتاب تحریر فرمائی۔ اسی طرح کتاب الام بھی آپ کی ایک اہم تحریر ہے۔ فقہ شافعی کے مشہور عالم ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی سلطنت و ریاست کے حوالے سے اہم ترین کتاب "احکام السلطانیہ" تحریر فرمائی جو آج بھی سیاسیات اسلامیہ میں کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جانب تو احادیثِ مبارکہ اور فقہ میں خدمات سرانجام دیں اور "مسند احمد" ایسی جامع و ضخیم کتاب تحریر فرمائی دوسری جانب مسئلہ خلقِ قرآن میں مامون، معتصم اور واثق تینوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ پر مصائب کے پہاڑ توڑے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوری استقامت سے مقابلہ فرمایا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت کے خلاف خاموش اور مسلسل احتجاج سے مسلمانوں کو استقامت و عزیمت کا درس دیا۔

فقہ حنبلی میں جناب امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "الطرق الحکمیہ فی السیاسة الشرعیة" ایسی عظیم الشان کتاب لکھی۔

ہم ایک بار پھر عرض کریں گے کہ ہم نے بخوفِ طوالت چند ایک نمونے درج کیے ہیں تاکہ ہمیں اپنے اسلاف کی اقامت و تحفظِ دین کے حوالے سے علمی و سیاسی خدمات پیش نظر

رہیں اور یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ انہوں نے یہ کام محض علمی مشغلہ کے طور پر نہیں کیا تھا بلکہ اسلامی ریاست کی ضروریات، دین کو قائم رکھنے، دین اور علمِ نبوت کے تحفظ کے لیے کیا اور اس میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔

مندرجہ بالا ائمہ کے علاوہ محدثین کرام نے علمِ حدیث کے تحفظ کے لیے کام کیا جو تاریخ انسانی و اسلامی کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے اور جو تحفظِ علمِ نبوت کا شاندار باب ہے۔

(ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ اور تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ: آپ رحمۃ اللہ علیہ پانچویں صدی ہجری کے ممتاز معلّم، مصلح، فلسفی اور مجدد تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علمی میدان میں غلبۂ اسلام کے حوالے سے فلسفہ اور باطنیت کا مقابلہ فرمایا اور اسلام پر ہونے والے ہر اعتراض کا مدلل جواب دیا بلکہ فلسفۂ یونان کی جڑیں کھوکھلی کر ڈالیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علومِ عقلیہ اور دینی عقائد کی تطبیق فرمائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا نظامِ تعلیم متعارف کروایا جس میں علومِ دینیہ و دنیوی علوم کے فرق کو مٹانے کی تجاویز پیش کیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحات کو سراہا گیا۔ اور علماء، مشائخ، سلاطین اور عوام کی زندگیوں میں معاشرت و اخلاق کے حوالے سے جو بگاڑ آ چکا تھا اس کی اصلاح فرمائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے احکامِ شریعت کے اسرار و حکم بیان فرمائے جس سے عوام و خواص میں شریعت کی دل پذیری میں اور اضافہ ہوا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ بندی کی بھی خوب مخالفت کی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سعی کی وجہ سے فرقہ بندی کی کمر ٹوٹ گئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریروں اور خطبات میں حکومت کو خلافتِ راشدہ کی طرز پر استوار کرنے کی دعوت دی۔ (علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، الغزالی رحمۃ اللہ علیہ)

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: آپ رحمۃ اللہ علیہ ساتویں صدی ہجری کی ممتاز شخصیت ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ قلم، زبان اور تلوار تینوں میدانوں کے عظیم سپہ سالار رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مجاہد اور مجدد ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی اسلام کو علمی و سیاسی طور پر غالب کرنے کی جدوجہد میں گزری۔ علمی سطح پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علومِ دینیہ و دنیویہ کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر کسا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے معقولاتی طرزِ استدلال کو چھوڑ کر فطری طرزِ استدلال اختیار فرمایا جو قرآن و سنت سے نسبتاً زیادہ قریب اور عام فہم تھا۔ تقلیدِ جامد کے خلاف آواز اٹھائی اور اجتہاد

کا راستہ اپنایا۔ اعتقادی و اخلاقی گمراہیوں کے ساتھ ساتھ، بدعات اور مشرکانہ رسومات کے خلاف جہاد فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نصرانیوں اور تاتاریوں کا مقابلہ قلم و تلوار دونوں سے فرمایا اور عملاً جہاد بالسیف بھی کیا۔ یونانی فلسفہ و فکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور "**الردُّ علی منطقیّین**" ایسی عظیم کتاب لکھی جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فلسفہ یونان کے لیے مُسکِت جواب ثابت ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علماء، مشائخ اور عوام کے ساتھ ساتھ سلاطین کی اخلاقی، اعتقادی اور معاشرتی اصلاح فرمائی۔ امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو کئی بار جیل میں ڈالا گیا اور آخری بار بڑھاپے کی حالت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قید و بند کی سخت اذیتیں دی گئیں یہاں تک کہ قلم و قرطاس تک چھین لیے گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کوئلے سے دیواروں پر لکھتے۔ پھر جب کوئلہ بھی ختم ہو گیا تو قرآنِ مجید کی تلاوت میں محو رہتے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں دورانِ قید آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت کا رتبۂ عظیم پایا۔ (تاریخ دعوت و عزیمت، سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (مجدد الف ثانی): شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان اصحابِ عزیمت میں ہوتا ہے جنہوں نے ہندوستان میں دینِ اسلام کو دینِ الٰہی (1) کے سامنے مغلوب ہونے سے بچایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے علمی اور سیاسی غلبہ کے لیے ایسی اعلیٰ و ارفع جدوجہد کی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بجا طور پر ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان کہلائے۔ چنانچہ ایک جانب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں وحدت الوجود کے راستے ہمہ اوستی خیالات کی ترویج کے آگے بند باندھا۔ تصوف کا رشتہ شریعت سے جوڑا اور سنت مطہرہ کی روح پھونکی۔ دوسری جانب ایسا طریقۂ اصلاح اختیار فرمایا جس سے بادشاہ کے مقربین آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونا شروع ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر جہانگیر آپ کا معتقد ہوا اور اپنے بیٹے شاہجہاں کو بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ کر گیا۔ دینِ الٰہی کی تمام خرافات ختم ہو گئیں اور اسلام کے روشن چہرے پر پڑی گرد ہٹ گئی۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی تربیت بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت سے وابستہ افراد کے ہاتھوں ہوئی۔ جس کے عہد میں ہندوستان میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب "فتاوٰی عالمگیری" مرتب ہوئی۔ آگے چل کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کا

---

(1) اکبر بادشاہ کا ایجاد کردہ دین

فیض تھا کہ، شاہ ولی اللہ، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ، شاہ غلام علیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور شاہ عبدالغنی مجددی وغیرھم ایسے عظیم علماء فقہاء و صلحاء پیدا ہوئے۔

شاہ ولی اللہ ؒ: شاہ ولی اللہ ؒ ایک ہمہ گیر مصلح، مجدد اور فلسفی تھے۔ آپ ؒ کی مساعیٔ جلیلہ کا چند سطروں میں ذکر بہت زیادتی ہے۔ مگر مضمون کی طوالت کا خوف مانع ہے اور ہمارا مقصود بھی تاریخ یا سوانح عمری نہیں بلکہ اقامت و غلبۂ دین کے لیے اسلاف کی کوششوں کا انتہائی اجمالی تذکرہ ہے۔ چنانچہ آپ ؒ نے اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش فرمایا۔ اور ثابت کیا کہ اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔ آپ ؒ نے قرآنِ مجید کا ترجمہ فرمایا اور امتِ مسلمہ کی اصلاح و تربیت کو اس کی اصلِ ثابت قرآنِ حکیم سے جوڑنے کی عظیم کاوش فرمائی اور یہ کاوش اللہ پاک کے ہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ آپ ؒ کے بعد ہندوستان میں قرآنِ مجید کی جانب توجہات منعطف ہوئیں اور ترجمہ و تفسیرِ قرآن کے بے شمار کام ہوئے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے مختلف شخصیات نے جدوجہد فرمائی اور واقعہ یہ ہے کہ ہند و پاک میں قرآن فہمی کا تقریباً سارا کریڈٹ شاہ صاحب ؒ اور آپ ؒ کے خانوادے کو جاتا ہے۔ جن میں شاہ عبدالقادر ؒ کا اردو ترجمہ، شاہ عبدالعزیز ؒ کی تفسیر عزیزی، شاہ رفیع الدین ؒ کا ترجمہ، شاہ عبدالغنی ؒ کی خدماتِ حدیث سب شامل ہیں۔ ان سب کے علاوہ شاہ اسمٰعیل شہید ؒ اور سید احمد شہید ؒ کی تحریک اقامتِ دین بھی آپ ؒ کی مساعیٔ جمیلہ کی باقیات الصلحٰت ہیں۔

شاہ ولی اللہ ؒ نے غلبہ اسلام (اقامت دین) کے کام کو اس کی اصل ثابت "قرآن حکیم" سے جوڑا۔ آپ ؒ نے حدیثِ نبوی ﷺ کی اہمیت کو اجاگر فرمایا۔ آپ ؒ نے اپنے آپ کو دورِ جدید کا "فاتح" قرار دے کر "فَكُّ كُلِّ نظام" کا واشگاف نعرہ بلند فرمایا۔ اور اس بات کی تصریح فرمادی کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی تمام تر مساعی یعنی جہادِ فی سبیل اللہ کا ہدف و مرکزی نکتہ "اقامتِ دین" تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ؒ نے آیت: هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى.... کو پورے قرآن کا عمود قرار دیا۔ آپ ؒ نے علماء، مشائخ، سلاطین و اعیانِ حکومت کو ان کا فرض یاد دلایا۔ آپ ؒ کی نظر مسلمانوں کی سیاسی صورتِ حال اور حکومتوں

پر بھی نہایت گہری تھی۔ اس بات کے غماز آپ ؒ کے سیاسی خطوط ہیں۔ چنانچہ آپ ؒ نے ہندوستان میں مرہٹوں کے مقابلے کے لیے احمد شاہ ابدالی ؒ کو دعوت جہاد دی جس سے مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ ہوا۔ آپ ؒ نے اسلام کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ اسی طرح حکمتِ دین پر امام غزالی ؒ کی طرح کام کیا۔ اور اسلامی حکومت کے خد و خال خلافتِ راشدہ کی روشنی میں واضح فرمائے۔

(سید محمد میاں، علماء ھند کا شاندار ماضی اور علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے)

وہابی تحریک

شیخ محمد بن عبد الوہاب ؒ: شیخ محمد بن عبد الوہاب ؒ ایک عظیم مصلح، مبلغ اور مجدد تھے۔ آپ ؒ کی ساری کاوشیں اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اقامتِ دین کے لیے تھیں۔ چنانچہ حضرت شیخ نے ایک جانب توحید، ترک شرک و بدعات کی بھرپور دعوت دی وہیں آپ ؒ کا خیال تھا کہ بغیر حکومت و اقتدار کی معاونت، کے غلبہ دین کا کام ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ؒ نے عثمان بن معمر عینیہ سے خط و کتابت فرمائی اور اسے اس کام کے لیے قائل کیا۔ آپ ؒ نے عثمان بن معمر کو غلبۂ اسلام کی دعوت ان الفاظ میں دی:

إِنِّي أَرْجُوْ أَنْ أَنْتَ قُمْتَ بِنَصْرِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَنْ يُّظْهِرَكَ اللهُ تَعَالٰى وَتَمْلِكَ نَجْدًا وَأَعْرَابَهَا۔

"میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ اگر آپ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کی مدد کرنے اٹھ کھڑے ہوں وہ اللہ آپ کو نجد و ملحقہ علاقوں پر غلبہ عطاء فرمائے گا۔"

حضرت شیخ ؒ کی دعوت کی اصل بنیاد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ یعنی توحید کی دعوت تھی۔ آپ ؒ نے اللہ کے کلمہ کی سربلندی کی دعوت دی۔ آپ ؒ نے قبر پرستی، قبہ پرستی، غیر اللہ سے مدد مانگنا، مشرکانہ عقائد و اعمال سے منع فرمایا۔ آپ ؒ نے سنتِ نبوی ﷺ کا احیاء فرمایا اور بدعات کا قلع قمع کیا۔ معاملات میں دینِ اسلام کا احیاء فرمایا۔ قرآنِ مجید کے احکامات کے مطابق حکومت کو اقامتِ صلوٰۃ، تنفیذِ زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بنیادوں پر استوار فرمایا۔

(مولانا مسعود عالم ندوی ؒ ایک بدنام اور مظلوم مصلح محمد بن عبد الوہاب ؒ)

تحریکِ مجاہدین

شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ: شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ خانوادہ ولی اللہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ رحمہ اللہ ایک بلند پایہ عالم تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے اپنی ساری زندگی دینِ اسلام کی دعوت، تبلیغ اور غلبہ و اقامتِ دین کی جد وجہد میں صرف کردی اور اسی راہ میں شہادت کا عظیم رتبہ پایا۔ آپ رحمہ اللہ کی مساعئ جلیلہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ آپ رحمہ اللہ نے اسلام کے علمی غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے عالمانہ سعی فرمائی جس میں آپ رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو نکھار کر پیش فرمایا۔ درس وتدریس کے ذریعہ عوام میں اسلام کے غلبہ کا شوق پیدا فرمایا اور ایسے علماء تیار فرمائے جنہوں نے امت کی اس حوالے سے رہنمائی کی۔ شرک وبدعت اور غیر اسلامی رسُوم ورواج کے خلاف زبان وقلم سے جہاد فرمایا۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک کو علمی وفکری غذا فراہم کی اور مختلف علاقوں کے دورے کر کے تقویت بخشی جس سے تحریک کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ عوام الناس میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا شوق وجذبہ پیدا کیا اور اس کے لیے مجاہدانہ ریاضتیں اور مشقیں فرمائیں۔ ایک منظم تحریک کا حصہ بنے اور علمی اعتبار سے اپنے سے کم تر مجاہد (سید احمد شہید رحمہ اللہ) سے بیعت کی اور جہادِ بالسیف فرما کر دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ کردی۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ: آپ رحمہ اللہ ایک عظیم مجاہد تھے۔ آپ رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت میں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بڑا دخل حاصل رہا۔ آپ رحمہ اللہ نے مولانا عبدالحیٔ رحمہ اللہ اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی معیت میں مختلف علاقوں کے دورے کیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہادِ فی سبیل اللہ کا جذبہ جگایا جس سے ایک عظیم تحریک برپا ہوئی جسے آج ہم تحریکِ شہیدینؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور جس تحریک نے دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقوش تازہ کیے۔ آپ رحمہ اللہ نے سکھوں اور انگریزوں سے جہاد فرمانے کا عزم پیدا کیا

اور عملاً طویل اسفار کر کے پشاور کے علاقہ میں (مختصر عرصہ) کے لیے شریعت کی بالادستی قائم فرمائی۔ اور دورِ خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کردی۔ اپنوں کی غداری اور اغیار کی چالاکی کے باعث آپ رحمہ اللہ کی تحریک بظاہر بہت عرصہ کے لیے کامیاب نہ ہوسکی مگر آپ رحمہ اللہ اور آپ کے ساتھ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ہزاروں مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش فرما کر ابدی کامیابی حاصل کی اور رہتی دنیا تک عظمت کے نقوش چھوڑ گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک نے بعد میں اٹھنے والی تمام تحریکوں کے لیے غلبہ واقامتِ دین کی سعی "جہاد فی سبیل اللہ" کے جذبہ کو بیدار رکھنے کے لیے علمی وعملی لحاظ سے عظیم رہنمائی کا کام کیا۔ دیکھا جائے تو یہ سب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی پیدا کردہ تعلیمات و جذبۂ اعلائے کلمۃ اللہ کا تسلسل ہے اور ان کے بعد برصغیر میں ہونے والی تمام تر مساعی اسی تحریکِ اقامتِ دین کا تسلسل ہے۔ جس کا مختصر اذکر ابھی آیا چاہتا ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ وسید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک کی ناکامی کے بعد بھی مختلف علاقوں میں مختلف شخصیات کی زیرِ نگرانی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جاری رہا۔ تا آنکہ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد انگریز اور انگریزی نظام کا مکمل غلبہ ہوا اور عام مسلمان خصوصاً علماء کرام شدید زیرِ عتاب آئے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ شریعت کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا اور انگریز کے بنائے ہوئے قانون کو "قانونِ عام" کا درجہ حاصل ہوگیا۔ مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی تمام حکومتوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ ہم یہ فرق پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں نے دورِ ملوکیت میں "سلطان متغلب" کو بادلِ ناخواستہ قبول کر لیا تھا مگر شریعت کی مکمل منسوخی کا یارا کسی جابر سے جابر مسلمان بادشاہ کو نہیں ہوا اور بادشاہوں کے ظلم وجور، "اَلسُّلْطَانُ الْمُسْلِمُ الْعَادِلُ ظِلُّ اللهِ فِي الْأَرْضِ" کے سچے الفاظ کی آڑ میں خودساختہ حکمرانی اور بدعات وخرافات کے باوجود شریعت کو "قانونِ عام" کا

درجہ حاصل رہا۔گویا مسلمانوں کے فیصلے مسلم عدالتوں میں مسلمان قاضی قرآن وسنت کی روشنی میں کرتے تھے۔معاشرے میں پردہ عام تھا۔قرآن وسنت کی تعلیم ہی نظامِ تعلیم کا مرکزی حصہ تھی۔ جوا، سود و دیگر حرام ذرائع وغیرہ ممنوع تھے۔مگر ان سب کے باوجود یہ دَور اسلامی نظام کی صحیح اور مکمل عکاسی نہیں کرتا تھا اور تمام علماء ومشائخ وصلحاء ہمیشہ سے دَور خلافتِ راشدہ کو اسلام کے نظامِ عدل وقسط کی صحیح اور مکمل عکاسی سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ کاٹ کھانے والی ملوکیت کے بعد ایک ایسا دور آیا جس میں کوئی اسلامی حکومت نہ رہی۔شریعت کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا اور کفار کے بنائے ہوئے قوانین کو "عام قانون" کا درجہ حاصل ہو گیا۔تہذیب وتمدن ان کا ہوا۔ طرزِ معاشرت ان کی ہوئی۔مخلوط طرزِ تعلیم، دینی تعلیم کو پابندِ سلاسل کرنا اور الحاد و دہریت کی سرپرستی کرنا، بے پردگی، فحاشی عریانی عام ہوئے۔سود اور جوئے پر مبنی معیشت ان کی ہوئی اور نظامِ سیاست ان کے اصول حکمرانی پر قائم ہوا جس میں اللہ کی حکمرانی کا انکار بنیاد بنا۔اور عوام کو حقِ حکمرانی دیا گیا۔واضح رہے کہ اگر یہ فرق نہ رہے تو بہت سے نتائج خلط مبحث کا شکار ہو جاتے ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ بدء الاسلام سے یہاں تک کے دَور تک کوئی دَور ایسا نہیں آیا کہ جس میں مسلمانوں کو یوں شریعت کے سائے تلے زندگی گزارنے سے محروم کر دیا گیا ہو۔

(علمائے ہند کا شاندار ماضی، مولانا سید محمد میاںؒ)

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں اقامتِ دین کے لیے اٹھنے والی اسلامی تحریکیں

ان تحریکوں کی تفصیل میں ہم نہیں جائیں گے۔ بلکہ مختصراً ان کا ذکر کریں گے۔

فرائضی تحریک

یہ تحریک بنگال کے علاقہ میں حاجی شریعت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کی تھی۔اس تحریک نے غلبۂ دین کے لیے "زمین اللہ کی ہے" کا نعرہ بلند کیا۔اس تحریک نے بنگال کے کسانوں میں ایک نیا جذبہ پیدا کیا۔اور یہ موقف اپنایا کہ اسلامی حکومت کے خاتمہ اور انگریزی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی ملک دار الاسلام نہیں رہا، بلکہ دار الحرب بن گیا ہے اس لیے جمعہ اور عید کی نمازیں باجماعت ادا نہیں ہو سکتیں۔چنانچہ قیامِ پاکستان تک اس تحریک کے لوگ ان نمازوں کے اجتماعات منعقد نہیں کرتے تھے۔اس تحریک میں فرائض کی بجا آوری پر بہت زور دیا جاتا تھا۔اُخوتِ باہمی کو لازم خیال کیا جاتا تھا۔اور علم سیکھنے پر زور دیا جاتا تھا ساتھ ساتھ غیر اسلامی رسومات ترک کرنے کو بھی لازم خیال کیا جاتا تھا۔اس تحریک کی قیادت ونمایاں افراد کے نام یہ ہیں: حاجی شریعت اللہ، حاجی محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ، مولوی کرامت علی رحمۃ اللہ علیہ جونپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولوی عنایت علی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ، مولوی امام الدین رحمۃ اللہ علیہ، صوفی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ چاٹگامی۔

اس تحریک کے حوالے سے "شیخ محمد اکرام" موجِ کوثر میں لکھتے ہیں۔

"اس تحریک نے نہ صرف ہندووانہ رسوم کا خاتمہ کر کے مقامی مسلمانوں کو ایک نیا وقار اور عزتِ نفس عطاء کیا بلکہ ان کے گہرے روحانی تعلقات شمالی ہند کے مسلمانوں سے استوار کیے اور برصغیر کے تمام مسلمانوں میں ایک روحانی ہم آہنگی پیدا کی، نتیجہ یہ ہوا کہ جب سید

صاحب کے جانشینوں نے سرحد پر جہاد جاری رکھا تو مسلمانانِ بنگال اس میں پیش پیش تھے۔اور جب بیسویں صدی کے وسط میں پاکستان کا مطمحِ عمل قوم کے سامنے رکھا گیا تو ہزار میل کی دوری کے باوجود بنگال اور پنجاب کے مسلمان ایک ہی صف میں کھڑے تھے"۔

(ص58۔61،شیخ محمد اکرام،موج کوثر)

تحریک ریشمی رومال

1857ء کی جنگ آزادی جسے انگریز غدر کا نام دیتے تھے، کے بعد انگریزوں نے ملک میں لوٹ کھسوٹ اور بربریت کا انتہائی سفاکانہ مظاہرہ کیا اور اس میں اپنا مرکزی نشانہ مسلمانوں کو بنائے رکھا۔ملک بھر میں کاشتکاروں پر لگان اور ٹیکسوں کی بھرمار کر دی گئی، مقامی تاجروں کے کاروبار کو بند کرنے کے لیے ولایتی صنعت کو رواج دیا گیا۔ہسپتالوں، اسکولوں، کالجوں کی آڑ میں عیسائیت کی تبلیغ کی جانے لگی۔اسلامی مدارس کو بغاوت کے اڈوں کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔غرض یہ کہ مسلمانوں کے خلاف ایک منظم تحریک برپا کر دی گئی۔ ایسے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے دیگر علماء دیوبند کے ساتھ 1905ء میں ریشمی رومال کی تحریک شروع کی جس کا مقصد "انگریز سامراج سے نجات اور ہندوستان میں ایک آزاد قومی حکومت کا قیام تھا" اس مقصد کے لیے ایک مرکزی جماعت بنائی گئی جس کے امیر حضرت شیخ الہندؒ تھے اور اس کا مرکز پہلے دیوبند، پھر دہلی میں تھا۔اس مرکز کا نام پہلے ثمرۃ التربیۃ اور پھر جمعیت الانصار تھا۔اس تحریک نے ایک انقلاب برپا کرنے کا خاکہ تیار کیا جس میں پہلے اندرون ملک بغاوت کرائی جائے اور پھر بیرون ملک شمال مغربی سرحد پر قبائل سے کسی طاقتور حکومت کی مرکزی طاقت (ترکی) سے معاہدہ ہو کہ وہ افغانستان کے راستے فوجیں گزار کر قبائل کو ساتھ ملا کر ہندوستان پر حملہ کریں۔اس کے لیے افغان حکومت کو رضامند کرنا تھا اور وہاں ایک ہیڈ کوارٹر قائم کر کے اس کو رضامند کر لیا گیا (یاد رہے کہ اس وقت افغانستان اور ترکی کی سرحدیں ملتی تھیں)۔یہ تحریک اگرچہ ریشمی رومالوں کے پکڑے جانے پر عیاں ہو گئی اور اس کے بعد انگریز حکومت نے افغانستان میں تحریک کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا

۔ہندوستان میں بھی سرکردہ شخصیات کو گرفتار کر لیا گیا اور افغانستان اور ترکی کے درمیان رابطے کے خاتمہ کے لیے انگریز فوجوں کو تعینات کر دیا گیا۔ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا گیا۔عربوں کو قومیت کے مسحور کن نعرے کے تحت ترکوں کے خلاف آمادہ بغاوت کیا گیا۔شیخ الہند کو مالٹا میں قید کر دیا گیا۔اس تحریک کے پیش نظر اُمتِ مسلمہ کی عظمت و سطوتِ پارینہ کی بحالی تھی۔ (مولانا سید حسین احمد مدنیؒ،تحریک ریشمی رومال)

تحریکِ خلافت

14 مئی 1920ء کو اتحادیوں نے معاہدہ سیورے کی رُو سے ترکی کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا،صوبہ حجاز،شریف حسین حاکم مکہ کو دے دیا گیا،فلسطین،عراق اور اُردن برطانیہ کے حصہ میں آئے اور شام فرانس کی سرپرستی میں چلا گیا۔آرمینیا کو آزاد عیسائی ریاست کا درجہ دے دیا گیا،جنوبی اناطولیہ اٹلی کے زیرِ نگیں ہوا،درّہ دانیال اور خلیج باسفورس کو بین الاقوامی علاقہ قرار دیا گیا۔ترکی پر بھاری جنگی تاوان عائد کیا گیا اور اس کے بحری جہاز ضبط کر لیے گئے،بری فوج کی تعداد کم کر دی گئی اور فوجی اسکول بند کر دیئے گئے۔اس معاہدہ پر اسی سال توفیق پاشا نے دستخط کر کے اسے 10 اگست 1920ء کو قبول کر لیا۔

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قباء
سادگی اپنی بھی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اس معاہدے اور خلافت کی منسوخی پر برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں سخت بے چینی پھیلی اور بہت سے مسلمان علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں پاک و ہند سے ہجرت کرنے کو تیار ہوئے اور موپلا قوم نے تحریک خلافت کی حمایت میں بغاوت کر دی،انہوں نے ریل کی پٹریاں اکھیڑ ڈالیں،بجلی کی تاریں کاٹ ڈالیں۔انگریز حکومت نے غیر معمولی تشدد کیا ہزار ہا لوگوں کو پابندِ سلاسل اور تہِ تیغ کیا گیا۔علی برادران رحمہم اللہ، ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ اور گاندھی کو قید میں ڈال دیا گیا۔3 مارچ 1924ء کو مصطفیٰ کمال نے علامتی خلافت کو بھی ختم کر ڈالا۔اس تحریک کا مقصد خلافت کی بحالی تھا۔اور واقعہ یہ ہے کہ اگر خلافت ختم نہ ہوتی تو اسرائیل کا وجود ناممکن تھا۔

(محمد عبداللہ ملک،تاریخ پاک و ہند)

تحریکِ الاخوان المسلمون

الاخوان المسلمون عہد حاضر میں دنیائے عرب کی سب سے بڑی تحریک ہے۔ 1928ء میں یہ تحریک وجود میں آئی۔ تقریباً ایک صدی ہونے کو ہے مگر اس تحریک کی مقبولیت کم نہیں ہوئی بلکہ سرزمینِ عرب پھر اس دعوت کی پیاس شدت سے محسوس کر رہی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ عالمِ عرب کی کوئی چھوٹی بڑی تحریک ایسی نہیں جس نے اس عظیم تحریک سے حصہ نہ اٹھایا ہو۔

اس تحریک کے بانی حسن البناء شہید ؒ تھے۔ وہ مصر کے ایک علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ احمد عبدالرحمان ؒ البناء حدیث و فقہ کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے امام احمد بن حنبل ؒ کی مسند کو فقہی ابواب کے تحت مرتب کر کے مذکورہ احادیث پر تشریحی حواشی لکھے ہیں (الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد الشیبانی) اور شرح (بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی) کے نام سے لکھیں۔ اسی طرح ابو داؤد الطیالسی کی مسند کی تبویب "منحۃ المعبود" کے نام سے کی۔ اور امام شافعی ؒ کی مسند اور سنن کو "بدائع المسند" کے نام سے نئی ترتیب سے آراستہ کیا۔

حسن البناء ؒ حافظ قرآن اور مدرسۃ الرشاد الدینیہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم قاہرہ سے فارغ التحصیل تھے۔ اور انتہائی قابل اور مخلص انسان تھے۔ الاخوان عالم عرب میں ایک منظم قوت کے طور پر ابھری اور اسرائیل کے خلاف جہاد میں عالمِ مغرب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ چنانچہ وزیر اعظم نقراشی پاشا نے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے اور دباؤ میں آکر 8 دسمبر 1948ء کو مارشل لاء آرڈی نینس کے ذریعے الاخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ عبدالہادی پاشا کے دور میں حسن البناء ؒ کو 12 فروری 1949ء میں اِخوان المسلمین کے دفتر کے سامنے سرِ بازار شہید کر دیا گیا۔

جولائی 1965ء میں جمال عبدالناصر نے حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے الزام میں تقریباً 20 ہزار سے 50 ہزار تک اخوانی کارکنان کو جیلوں میں ٹھونس دیا جن میں لگ بھگ 1000 کے قریب خواتین بھی شامل تھیں۔ مُرشدِ عام کو 3 سال کی قید بامشقت سنائی گئی اور سید

قطب شہید ؒ کو 1966ء میں سزائے موت سنا دی گئی۔

الاخوان نے فکری انقلاب کے لیے عقائد کی اصلاح اور فکر مغرب کا ابطال کیا اور اس ضمن میں نوجوانوں کے اندر اسلامی تہذیب کا ذوق و شوق پیدا کیا۔ اسی طرح صحافت، تعلیم، خدمتِ خلق، اقتصادی و معاشی میدان کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ کو تازہ رکھنے کے لیے بے شمار قربانیاں دیں۔ الِاخوان نے اپریل 2011ء کو فریڈم اینڈ جسٹس پارٹی بنائی اور جون 2012ء کے الیکشن میں محمد مرسی شہیدؒ نے بھاری اکثریت سے کامیابی پائی۔ مگر جمہوریت کے ٹھیکیداروں کو یہ کامیابی ایک آنکھ نہ بھائی اور فوجی انقلاب کے ذریعے الاخوان کی اس کامیابی کا راستہ روک دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ آج عالم عرب میں احیائے اسلام اور اقامتِ دین کے حوالے سے جو کش مکش عروج پر نظر آ رہی ہے اس میں الاخوان کا کردار انتہائی کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔
(خلیل احمد حامدی، اخوان المسلمون)

جماعتِ اسلامی

جماعتِ اسلامی کی بنیاد تقسیمِ ہند سے قبل 26 اگست 1941ء کو لاہور میں رکھی گئی۔ اس جماعت کے بانی جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تھے اور انہی کی تحریک پر یہ جماعت قائم ہوئی تھی۔ اس جماعت کو قائم کرتے وقت مولانا مودودیؒ نے جو ہدف بیان کیا وہ اقامتِ دین تھا۔ لکھتے ہیں

> "اب وقت آگیا ہے کہ ہمیں مسلمان رہنے یا نہ رہنے کا آخری فیصلہ کرنا ہے۔ اگر ہم مسلمان رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ماحول اور پھر تمام دنیا کو دارُ الِاسلام بنانے کا عزم لے کر اٹھنا چاہیے اور اس کے لیے جان و تن کی بازی لگا دینی چاہیے۔"

یہی بات جماعتِ اسلامی کے دستور میں کچھ یوں درج ہے:

> "جماعتِ اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصود دنیا میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔"

مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کی دعوت کو یوں تحریر کیا۔

(1) ہم بندگانِ خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

(2) یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اسکو ماننے کا دعویٰ کرے اسے ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کردے اور جب وہ مسلمان ہے یا بنا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہوجائے۔

(3) یہ کہ زندگی کا نظام جو باطل پرستوں اور فُسّاق وفُجّار کی رہنمائی، قیادت اور فرمانراوئی میں چل رہا ہے اور معاملاتِ دنیا کے انتظام کی زمامِ کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے، ہم دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی و امامت نظری و عملی دونوں حیثیتوں سے مؤمنین وصالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔

جماعتِ اسلامی نے اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لیے چار بنیادی اقدامات لائحہ عمل کے طور پر اختیار کیے:

(1) تطہیرِ افکار و تعمیرِ افکار

(2) صالح افراد کی تلاش، تنظیم و تربیت

(3) اجتماعی اصلاح کی سعی

(4) نظامِ حکومت کی اصلاح

اگرچہ بعد از تقسیمِ ہند جماعت نے انتخابات کا راستہ اپنایا اور کیا کھویا کیا پایا، یہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں۔ (دستور جماعتِ اسلامی)

تنظیمِ اسلامی

جماعتِ اسلامی کے طریق کار سے اختلاف رکھنے والے صاحبانِ فکر ونظر نے اقامتِ دین کے فرض کی ادائیگی کے لیے ایک جماعت کی ضرورت کے پیشِ نظر مختلف مواقع پر طویل گفت وشنید کے بعد 1967ء میں ایک قرارداد (قراردادِ رحیم آباد) پر دستخط کیے، (بعد ازاں تنظیمِ اسلامی پاکستان 1975ء میں قائم ہوئی اور نظامِ بیعتِ سمع وطاعت فی المعروف کے تحت باقاعدہ تنظیم سازی 1977ء سے عمل میں لائی گئی جواب تک اسی انداز سے جاری وساری ہے) جس میں طے پایا کہ

"......ایک ایسی اجتماعیت کا قیام عمل میں لایا جائے جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری مُمد و معاون ہو۔ جس میں وہ لوگ بھی شریک ہوسکیں جو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے جماعت اسلامی میں شامل ہوئے تھے لیکن پھر مختلف مراحل پر اس سے مایوس ہوکر علیحدہ ہوتے چلے گئے اور اب کسی ہیئتِ اجتماعی میں منسلک نہ ہونے کی بنا پر تشنگی محسوس کررہے ہیں اور وہ لوگ بھی شریک ہوسکیں جن میں اپنے دینی فرائض کا احساس ہوجائے اور وہ اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے کسی اجتماعی نظم میں منسلک ہونا چاہیں مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں تفصیلی نقشۂ کار کی تعیین اور ایک ہیئتِ اجتماعی کی تشکیل کے لیے طے کیا جاتا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہم خیال لوگوں سے رابطہ کیا جائے اور پھر کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ایسے لوگ ایک جگہ جمع ہوکر کسی اجتماعیت کے قیام کی عملی صورت اختیار کرلیں۔"

تنظیمِ اسلامی کا نصب العین

تنظیم اسلامی کا نصب العین بَالفاظِ دستورِ تنظیمِ اسلامی کچھ یوں ہے کہ

"تنظیمِ اسلامی نہ معروف معنی میں سیاسی جماعت ہے نہ مذہبی فرقہ بلکہ ایک اصولی، اسلامی، انقلابی جماعت ہے جو اوّلاً پاکستان اور بالآخر کل روئے ارضی پر اللہ کے دین کے غلبے یعنی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام بالفاظ دیگر '' اسلامی انقلاب" اور اس کے نتیجے میں "نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے قیام کے لیے کوشاں ہے۔ انفرادی سطح پر اس کے جملہ شرکاء کا اصل نصب العین صرف رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی کا حصول ہے۔"

تنظیمِ اسلامی کی اساسی دعوت

تنظیمِ اسلامی کی اساسی دعوت تین بنیادی دینی اصطلاحات پر مبنی ہے، یعنی (i) تجدیدِ ایمان (ii) توبہ اور (iii) تجدیدِ عہد................ یہی وجہ ہے کہ تنظیم میں شمولیت جس عہد نامے کے ذریعے ہوتی ہے اس میں بھی انہی تین امور کا ذکر ہے۔

تنظیمِ اسلامی کی دعوت

تنظیم اسلامی کی دعوت فکرِ تنظیمِ اسلامی کی روشنی میں چار عنوانات کے تحت مندرجہ ذیل ہے:

1- دین اسلام کا جامع تصور　　2- دینی فرائض کا جامع تصور

3- منہجِ انقلاب نبوی ﷺ　　4- التزامِ جماعت/بَیعَت

1- دین اسلام کا جامع تصور:

اس عنوان کے تحت دین و مذہب کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کو بیان کرنے کے علاوہ اسلام اور سیکولرازم کا تصور واضح کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں پر "دین" کا جامع تصور واضح ہو جائے۔

2- دینی فرائض کا جامع تصور:

دین کا تصور واضح ہونے کے بعد پھر دینی فرائض کا جامع تصور جہاد فی سبیل اللہ کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے کہ "اسلام" محض مذہب نہیں ہے بلکہ ایک مکمل دین ہے اس تناظر میں ہر مسلمان پر کچھ دینی فرائض اور بنیادی دینی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو مختصراً درج ذیل ہیں:

i) ایک مسلمان کا پہلا فرض ہے کہ وہ خود صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بنے۔

ii) دوسروں کو حتی المقدور اسلام کی تبلیغ کرے اور دین کی دعوت دے۔

iii) وہ اللہ کے کلمے کی سربلندی اور اس کے دینِ حق کے بالفعل قیام اور غلبے کے لیے تن من دھن سے کوشاں ہو۔

مندرجہ بالا تینوں دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے "جہاد" کی ضرورت پڑے گی، اسی جامع جدوجہد کا عنوان "جہاد فی سبیل اللہ" ہے جس میں پہلی سطح پر جہاد، جہاد مع النفس کرنا ہو گا، دوسری سطح پر خود کو اللہ کا بندہ بنانے کے ساتھ ساتھ دعوتِ دین کیلئے وقت اور جان و مال کھپانا، نفس اور باطل نظریات کے خلاف یہ جہاد قرآنِ مجید کے ذریعے کرنا، اس کے بعد باطل نظام کو ہٹانے اور اس نظام کے علمبرداروں سے نبرد آزما ہونے کے لیے آخری منزل قتال فی سبیل اللہ کا راستہ اختیار کرنا۔ اس سارے عمل Process میں قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ ﷺ کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل رہے یعنی بَالفاظِ دیگر ذریعۂ دعوت اور آلۂ انقلاب قرآنِ حکیم ہوگا۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے ان تین فرائض کو بیان کرنے کے لیے ایک سہ منزلہ عمارت کی مثال دی ہے جس کی ڈایاگرام اگلے صفحہ پر (تصویر) موجود ہے۔

دینی فرائض کا جامع تصور

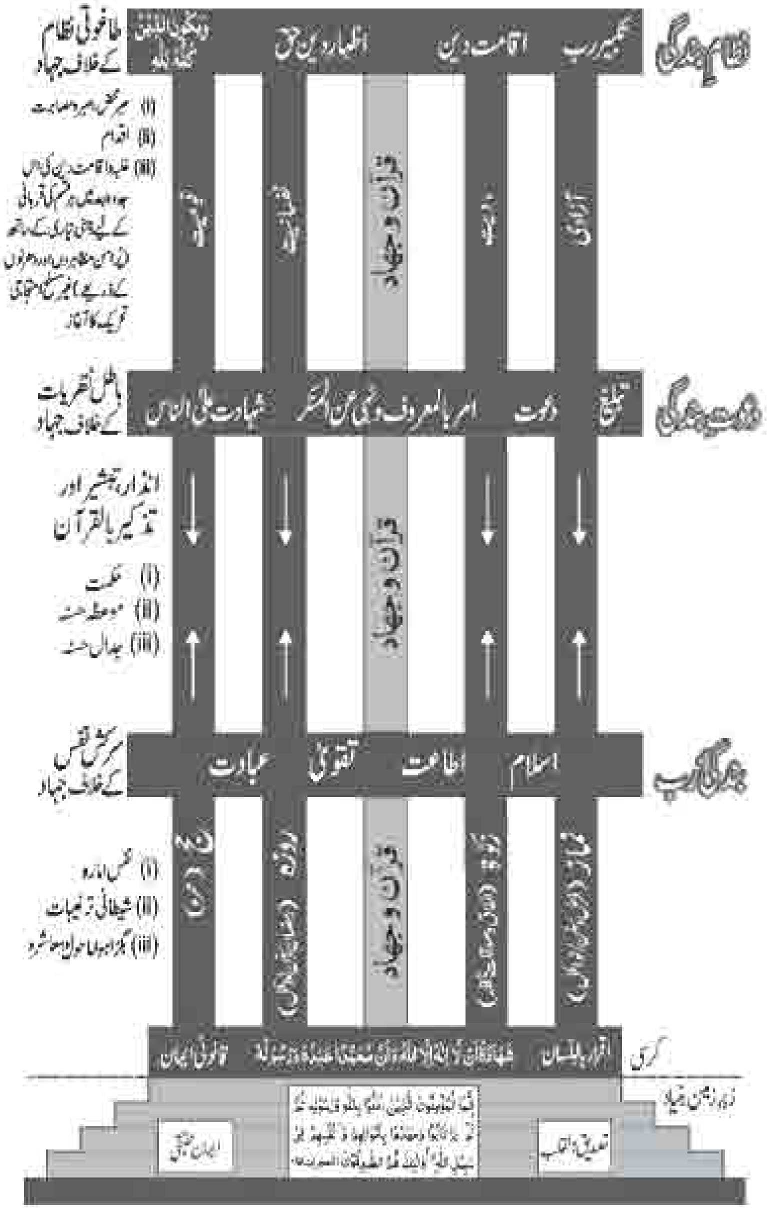

3- منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ

تنظیمِ اسلامی کے پیشِ نظر غلبۂ دین کا طریق کار درج ذیل ہے:

i. **دعوت:** پہلا مرحلہ انقلابی نظریہ کی دعوت دینا یعنی معاشرتی معاشی اور سیاسی نظام کی سطح پر توحیدِ عملی کی دعوت ہے۔

ii. **تنظیم:** دوسرے مرحلہ میں دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں کو ایک لڑی میں پرونا یعنی انہیں منظم کرنا (بیعتِ سمع وطاعت فی المعروف کی مسنون بنیاد پر)۔

iii. **تربیت:** جماعت میں شامل افراد کی تین پہلوؤں سے تربیت کرنا۔

(1) قربانی دینے کا جذبہ اور تکلیفیں جھیلنے کی استعداد پیدا کرنا

(2) سمع وطاعت/ ڈسپلن پیدا کرنا

(3) اخلاقی اور روحانی تربیت۔

iv. **صبرِ محض:** پہلے تینوں مرحلوں کے نتیجے میں اپنی دعوت کو جاری رکھتے ہوئے صبرِ محض کرنا اور ہر قسم کی جوابی کارروائی سے اپنے آپ کو روکے رکھنا تاکہ باطل نظام کے پاس تحریک کو کچلنے کا کوئی جواز موجود نہ ہو، صبرِ محض کا مرحلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ جماعت کو مضبوط بنانے کے لیے وقت درکار ہے، پھر مزید یہ کہ خاموش اکثریت کی نہ صرف ہمدردیاں اس تحریک کو حاصل ہو جائیں گی بلکہ انقلاب یعنی غلبۂ دین کی ایک فضا بھی قائم ہونا شروع ہو جائے گی۔

(**نوٹ:** مندرجہ بالا چاروں مراحل پر بیک وقت کام جاری رہے گا جب تک کہ ایک معتدبہ تعداد حاصل نہ ہو جائے)

v. **اقدام:** معتدبہ تعداد کے حصول کے بعد اور مناسب وقت پر اقدام کیا جائے گا جس کا فیصلہ شوریٰ کے مشورے سے "امیرِ تنظیم" کرے گا۔

vi. **تصادم:** اقدام کے نتیجے میں تصادم ہوگا، تنظیمِ اسلامی اس بات کو علیٰ وجہ البصیرہ بیان کرتی ہے کہ خون کی قربانی دیے بغیر کوئی بھی انقلاب نہیں آسکتا لہٰذا

پاکستان کے حالات کے پیشِ نظر آخری مرحلے پر قتال تو لازم ہے لیکن
یہ قتال یک طرفہ ہوگا، یعنی اللہ والے اپنی جانیں دینے کے لیے تو تیار
ہوں گے لیکن کسی کلمہ گو کی جان لیں گے نہیں۔

vii. ساتواں مرحلہ چھٹے مرحلے کی کامیابی سے مشروط ہے اگر غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والے کامیاب ہوگئے تو یہ انقلاب عالمی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

4- التزامِ جماعت/ بیعت:

تنظیمِ اسلامی کی دعوت کا آخری عنوان التزام جماعت ہے یعنی ان فرائض کی ادائیگی کے لیے اجتماعی جدوجہد ضروری ہے کیونکہ اجتماعیت کے بگاڑ کو ایک اجتماعیت ہی سدھار سکتی ہے لہٰذا فرائضِ دینی کے ضمن میں ایک لازمی تقاضا التزامِ جماعت ہے۔ ہر مسلمان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ شہادت علی الناس اور اقامتِ دین جیسے فرائض کو ایک اجتماعی جدوجہد کی صورت میں ادا کرے اور کسی ایسی جماعت میں شامل ہو جس کا واضح ہدف اقامتِ دین کی جدوجہد کرنا ہو اور طریقہ کار نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے ماخوذ ہو اور اقرب الی السنہ ہو۔ مزید یہ کہ قیادت مخلص ہو، اور اس جماعت کا جو نظام ہو وہ بیعت سمع و طاعت کے اُصول پر مبنی ہو اور اس اسلامی انقلاب کے لیے آلۂ انقلاب قرآنِ مجید ہو۔

(**نوٹ:** یاد رہے کہ اس تحریک کے بانی پہلے امیر ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ تھے اور 2002ء تا 08 اگست 2020ء تک حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کی امارت کے بعد اس وقت تیسرے امیر شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں)۔

تحریکِ طالبان

1979ء میں کیمونسٹ عناصر کے کہنے پر روسی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں، جن کے خلاف پورے افغانستان میں بھرپور مزاحمت شروع ہوگئی۔ اور مسلسل 10 سال تک اس جہادِ حریت کے نتیجہ میں روس کو شکست فاش ہوئی۔ اپریل 1988ء میں جنیوا میں امن معاہدہ

ہوا اور 1989ء میں روس نے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا۔ روسی فوجوں کے واپس چلے جانے کے بعد عالمی طاقتوں کی عدم دلچسپی نے افغانستان میں کسی مرکزی حکومت کو قائم نہ ہونے دیا۔ 1989ء تا 1994ء افغانستان کا حال یہ ہو چکا تھا کہ لوگ خانہ جنگی سے تنگ آ چکے تھے، لوگوں کا اپنے قائدین پر سے اعتماد اٹھ چکا تھا جو دن رات اتحاد بناتے اور توڑتے تھے۔ ہر ڈیڑھ کلو میٹر پر ہر گروپ نے اپنی زنجیریں نصب کر رکھیں تھیں اور مسافر ان زنجیروں سے گزرتے گزرتے قلاش ہو جاتے تھے۔ ان حالات میں "طالبان" کا ظہور ہوا۔ اکتوبر 1994ء میں ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فورس منظم کی جو تحریکِ طالبان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس فورس میں روسی جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین، افغانی علماء اور مدارس کے طلباء کی کثیر تعداد شامل ہوگئی۔ علماء میں جن حضرات نے بنیاد رکھی ان میں ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ محمد ربانی، ملا محمد حسن، نور الدین ترابی، عبد الوکیل متوکل، مولوی عبد الکبیر، مُلاّ خیر اللہ خیر خواہ اور امیر خان متقی کے نام آتے ہیں۔ جبکہ فوجی کمانڈروں میں ملا بور جان، مولانا جلال الدین حقانیؒ، ملا عبد الرزاق، مُلاّ برادر، مُلاّ داد اللہ، مُلاّ یار محمد، مُلاّ مشر، مُلاّ عبید اللہ، مُلاّ احسان اللہ احسان اور مُلاّ فاضل وغیرہ شامل تھے۔ (ان میں سے اکثریت اب شہادت کے عظیم رتبہ پر فائز ہو چکی ہے۔) خود مُلاّ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ، محمد نبی محمدی اور مولوی یونس خالص کی قیادت میں روسی جہاد میں صفِ دوم کے کمانڈر کے طور پر روس کے خلاف جہاد میں حصہ لے چکے تھے۔ 1996ء سے 2001ء تک طالبان کو افغانستان کے اکثر علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل تھا جہاں انہوں نے غیر مشروط طور پر شریعت نافذ کر دی، اور یہی جرم تھا جو عالمی طاقتوں کو پسند نہیں آیا اور اکتوبر 2001ء میں امریکہ نے عالمی طاقتوں کی ہمراہی میں اس نوزائیدہ اسلامی حکومت کے خلاف بھرپور جارحیت کر دی (اور 19 سال کے اس عرصہ میں اللہ پاک نے مادّہ پرستوں کو دکھا دیا کہ اللہ اسباب کا محتاج نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 15 / اگست 2021ء کو طالبان دوبارہ برسرِ اقتدار آ گئے ہیں۔)

تحریکِ طالبان کا منشور

تحریک طالبان جو منشور و مقاصد لے کر اٹھی تھی اس کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل تھے:

1) امن و امان کا قیام اور فتنہ فساد کا خاتمہ
2) مختلف مسلح تنظیموں اور گروپوں کو غیر مسلح کرنا
3) اسلامی شعائر کی پابندی
4) شریعت اسلامیہ کا نفاذ
5) شرعی سزاؤں کا نفاذ
6) خواتین کے لیے چادر اور چاردیواری کا انتظام
7) افغانستان کو بدعنوان مغرب پرست لیڈروں سے نجات دلانا
8) سڑکوں اور راستوں کو دوبارہ کھولنا اور درندہ صفت سرداری نظام کا خاتمہ
9) غیر ملکی فوجوں کا انخلاء اور کٹھ پتلی افغان حکومت کا خاتمہ
10) افغانستان کی آزادی اور عوام کی خودمختاری

(محمد اسماعیل ریحان، تاریخ افغانستان اور ہلال وصلیب کے تاریخ ساز کارنامے)

ان تحریکوں کے علاوہ عالمِ اسلام کے چپے چپے میں اسلام کے نفاذ اور اسلامی حکومتوں کے قیام کے لیے تحریکیں اٹھیں جن میں شمالی و مغربی افریقہ میں سَنوسی تحریک، سوڈان میں مہدی سوڈانی کی تحریک، جمال الدین افغانی کی اتحاد بین المسلمین کی تحریک اور بہت سی تحریکات شامل ہیں۔ (ظاہر ہے کہ اس مضمون میں ہم ان تحریکوں کی تاریخ مرتب نہیں کر رہے)

حاصلِ کلام:

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ راقم نے اس مضمون میں تجزیاتی و تقابلی انداز اختیار نہیں کیا یعنی تحریکوں کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب و علل و باہمی موازنہ ہمارا موضوع بحث نہیں تھا بلکہ راقم نے اقامت دین کی سعی و جہدِ مسلسل کو اسلاف کی آراء و تعامل کی روشنی میں

دکھلانے کی کوشش کی ہے اور اس بات کو الحمدللہ بڑی حد تک ثابت کر دیا ہے کہ اقامتِ دین کی سعی و جہد نہ تو اضافی نیکی ہے اور نہ ہی اسلاف کی کتابیں اور ان کا تعامل اس سے خالی ہے بلکہ اس کے برعکس اسلاف نے اس معاملے کو ہمیشہ واضح رکھا ہے اور نبیٔ اکرم ﷺ اور جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دین کو قائم کرنے کے بعد اسے قائم رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے اور تجدید و احیائے دین کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی جانیں تک قربان کی ہیں۔ (فَجَزَاهُمُ اللهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ) اور اقامتِ دین کی اس مسلسل جدوجہد (جس کا جامع عنوان "جہاد فی سبیل اللہ" ہے) کے لیے واضح فرمان رسول ﷺ ہے کہ یہ جدوجہد میری اُمت میں ہمیشہ جاری رہے گی بقول سید وُلد آدم ﷺ "اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللهُ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ أُمَّتِي الدَّجَّالَ، لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ" جب سے اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، جہاد جاری رہے گا یہاں تک کہ میرا آخری اُمتی دجال سے جنگ کرے گا، اسے کسی ظالم (حکمران) کا ظلم اور عادل کا عدل باطل نہیں کرے گا۔

(سنن ابی داود: ۲۵۳۲، سنن سعید بن منصور: ۲۳۶۷)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا، يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ" یہ دین (اسلام) ہمیشہ قائم رہے گا، مسلمانوں کی ایک جماعت دین کے لئے قیامت تک قتال کرتی رہے گی۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۲ دارالسلام: ۴۹۵۳ عن جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ)

کیونکہ یہ بات تو قرآن مجید کا ادنیٰ طالبعلم بھی جانتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی غرض وغایت اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اقامتِ دین، نفاذِ شریعت یا تنصیبِ خلافت ہی ہے۔ بفحوائے کلام اللہ

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

(الانفال: 39)

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (طٰہٰ: 47)

✿✿✿

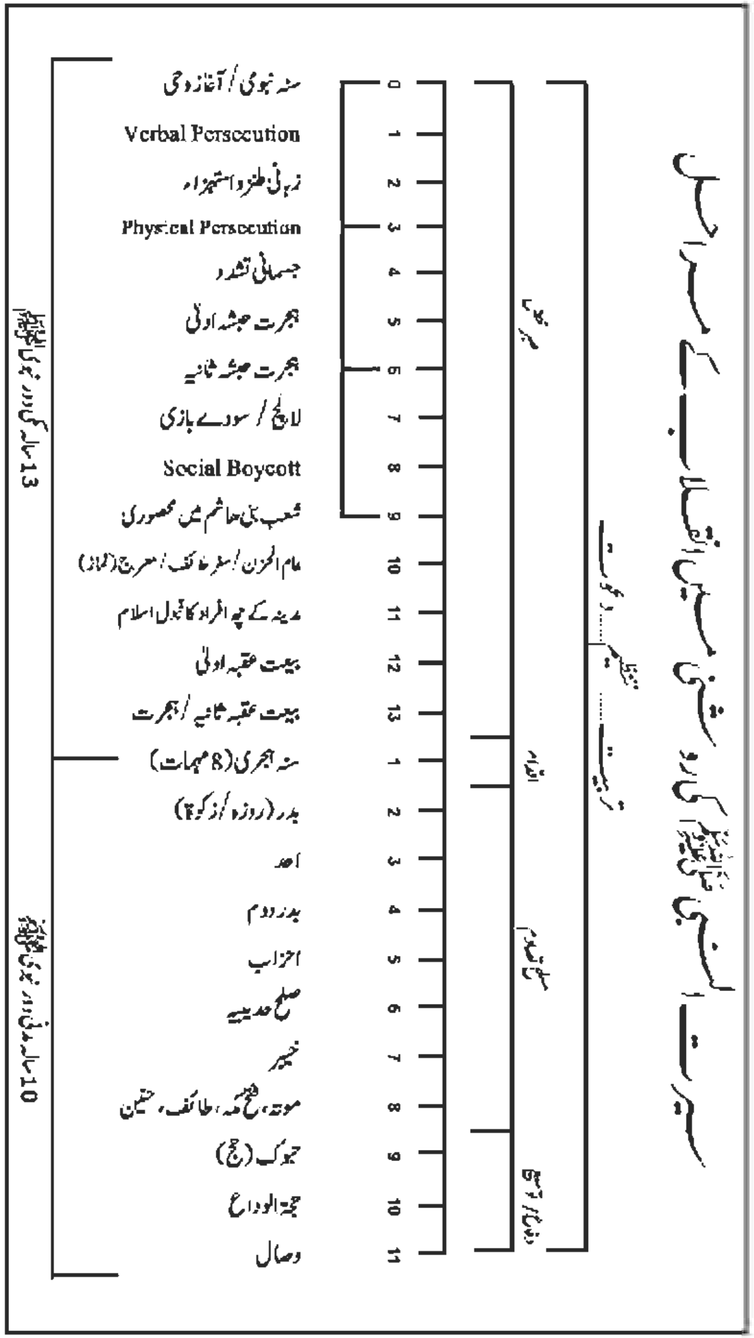

کتابیات

القرآن الکریم

کتب احادیث

صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
صحیح مسلم	امام مسلمؒ بن حجاج
سنن ابی داوٗد	امام سلیمان بن اشعث ابوداوٗدؒ
سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائیؒ
سنن دارمی	امام عبدالرحمان سمرقندی دارمیؒ
مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ
المعجم الصغیر الطبرانی	امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ
کنزل العمال	شیخ علی متقی وابن حسام الدین الہندیؒ

عربی تفاسیر	مصنف	سن وفات
جامع البیان (تفسیر ابن جریرؒ)	محمد بن جریر طبریؒ	310ھ
تفسیر کشاف	محمد بن عمر جاراللہؒ	538ھ
تفسیر قرطبی	محمد بن احمد قرطبیؒ	1237ء
تفسیر معالم التنزیل	ابومحمد حسین بن مسعود بغویؒ	510ھ
تفسیر درمنثور	جلال الدین السیوطیؒ	911ھ
تفسیر احکام القرآن للجصاص	احمد بن علی الرازیؒ	370ھ
تفسیر احکام القرآن	ابن عربی مالکیؒ	543ھ

تفسیر ابن کثیرؒ	اسماعیل بن عمرؒ	1373ء
تفسیر جلالین	جلال الدین محلیؒ و جلال الدین سیوطیؒ	864ھ و 911ھ
تفسیر ماوردی	ابو الحسن ماوردیؒ	1052ء
تفسیر روح المعانی	شھاب الدین محمود آلوسیؒ	1854ء
تفسیر مدارک التنزیل	احمد بن محمود نسفیؒ	1310ء
تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقیؒ	1127ھ
تفسیر المنار	علامہ رشید رضا	1935ء
تفسیر المراغی	علامہ مراغی	1952ء
تفسیر فی ظلال القرآن	سید قطب شہیدؒ	1966ء
تفسیر سعدی	شیخ عبد الرحمان سعدیؒ	1956ء
تفسیر اضواء البیان	شیخ شنقیطیؒ	1975ء
ترجمہ فتح الرحمان (فارسی)	شاہ ولی اللہؒ	1762ء

اردو تفاسیر	مصنف	سن وفات
تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	1810ء
بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ	1942ء
تفسیر حقانی	مولانا عبد الحق حقانیؒ	1988ء
فوائد القرآن (تفسیر عثمانی)	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	1940ء
معارف القرآن	مفتی شفیع عثمانیؒ	1974ء
تفہیم القرآن	سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ	1979ء
تدبر قرآن	امین احسن اصلاحیؒ	1997ء
ضیاء القرآن	پیر کرم شاہ الازہریؒ	1998ء

تفسیر ذخیرۃ الجنان	مولانا سرفراز خاں صفدرؒ	2009ء
بیان القرآن	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	2010ء
معالم العرفان	صوفی عبد الحمید سواتیؒ	2008ء
تذکیر القرآن	مولانا وحید الدین خانؒ	2021ء
تفسیر ترجمان القرآن	مولانا ابو الکلام آزادؒ	1958ء
مطالعہ قرآن حکیم	پروفیسر احمد یارؒ	1997ء
تفسیر تیسیر القرآن	مولانا عبد الرحمان کیلانیؒ	1995ء

دیگر کتب

کتب	مصنف	سن وفات
بحر الرائق شرح نز الدقائق	محمد بن محمد بن علاؤ الدین ابن عابدین	1306ھ
الموافقات فی اصول الشریعہ	ابراھیم بن موسیٰ الشاطبیؒ	790ھ
المفردات فی غریب القرآن	امام راغب اصفہانیؒ	
تفہیم المسائل	مولانا گوہر رحمانؒ	
مقدمہ ابن خلدون	عبد الرحمان ابن خلدونؒ	1406ء
ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء	شاہ ولی اللہؒ	1762ء
حزب اللہ کے اوصاف	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	2010ء
بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی	587ھ/1191ء
اقامتِ دین، فرضیت و طریقۂ کار	اویس پاشا قرنی	
عقائد الاسلام	مولانا محمد ادریس کاندہلویؒ	
السیاسۃ الشرعیہ	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہؒ	728ھ
الملل والنحل	علی ابن احمد بن سعید ابن حزم	1064ء

الروضۃ الناظرۃ فی المسائل الحاضرۃ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	1942ء
جزل الکلام فی عزل الامام	مولانا اشرف علی تھانویؒ	1942ء
الافاضات الیومیہ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	1942ء
امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	1942ء
الفکر الاسلامی الحدیث فی مواجھۃ الافکار الغربیہ.....	استاذ محمد مبارک	1981ء
فریضۂ اقامتِ دین	مولانا صدر الدین اصلاحیؒ	1998ء
طبقات ابن سعد	ابو عبد اللہ محمد بن سعد	230ھ
البدایہ والنہایہ	اسماعیل بن عمرؒ	1373ء
الکامل فی التاریخ	ابن الاثیر	555ھ
امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ	1956ء
الاحکام السلطانیہ	ابو الحسن ماوردیؒ	1058ء
الغزالی	مولانا شبلی نعمانیؒ	1914ء
تاریخ دعوت عزیمت	مولانا ابو الحسن علی ندویؒ	1999ء
علمائے ہند کا شاندار ماضی	مولانا محمد میاںؒ	1975ء
ایک بدنام اور مظلوم مصلح	مولانا مسعود عالم ندویؒ	1954ء
آبِ کوثر، موجِ کوثر، رُودِ کوثر	شیخ محمد اکرام	1973ء
تحریک ریشمی رومال	مولانا حسین احمد مدنیؒ	1957ء
تاریخ پاک و ہند	محمد عبد اللہ ملک	2003ء
الاخوان المسلمون	خلیل احمد الحامدی	1994ء
دستورِ جماعتِ اسلامی	منصورہ، لاہور	
تعارف تنظیمِ اسلامی	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	2010ء

فرائضِ دینی کا جامع تصور	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	2010ء
منہج انقلاب نبوی ﷺ	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	2010ء
تاریخ افغانستان (2،1)	محمد اسماعیل ریحان	حیات

ذیل میں ہم نے دلچسپی اور اپنے موقف کی تائید کے لیے اس مقالے میں مذکور شخصیات کا تعارف ان کا دائرہ عمل و خدمات ان مسالک و مکاتیب فکر سے ان کے تعلق کو واضح کیا ہے اگرچہ یہ انتہائی مختصر ہے مگر اس چارٹ سے اندازہ ہوگا کہ ہر زمانے (متقدمین و متاخرین) ہر مسلک و مکتبِ فکر کے علماء کے ہاں فریضۂ اقامتِ دین کی ابحاث زیرِ بحث رہی ہیں اور وہ اس کی فرضیت کے قائل رہے ہیں۔

متقدمین

	شخصیات	زمانہ	خدمات و شعبۂ عمل
1	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ	810ء تا 870ء	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
2	امام مسلمؒ بن حجاج	821ء تا 875ء	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
3	امام سلیمان بن اشعث ابو داؤدؒ	817ء تا 888ء	محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
4	امام احمد بن شعیب نسائیؒ	829ء تا 915ء	محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
5	امام عبد الرحمان سمرقندی دارمیؒ	797ء تا 869ء	محدث، متکلم، فقیہہ
6	امام احمد بن حنبلؒ	780ء تا 855ء	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
7	امام سلیمان بن احمد طبرانیؒ	873ء تا 971ء	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
8	شیخ علی متقی وابن حسام الدین الہندی	885ھ تا 975ھ	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
9	امام ابو حنیفہؒ، نعمان بن ثابت	699ء (80ھ) تا 767ء (150ھ)	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ
10	امام مالکؒ، مالک بن انس	93ھ تا 179ھ	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہہ

11	امام شافعی، محمد بن ادریس شافعیؒ	150ھ تا 204ھ	مجتہد، محدث، متکلم، مفسر، فقیہ
12	محمد بن جریر طبریؒ	224ء تا 310ھ	امام المفسرین و مورخ
13	محمد بن عمر جار اللہؒ (معتزلی، حنفی)	467ء تا 538ھ	مفسر و ماہر علم اللسان
14	ابوالقاسم حسین بن محمد الراغب الاصفہانیؒ	502ھ م	ماہر اللسان، عربی ادب، مفسر
15	محمد بن احمد قرطبیؒ	1214ء تا 1237ء	مفسر، ماہر اللسان، فقیہ
16	ابو محمد حسین بن مسعود بغویؒ	436ھ تا 510ھ	محدث، مفسر
17	جلال الدین السیوطیؒ	849ھ تا 911ھ	فقیہ، مفسر، مورخ، محدث
18	ابراھیم بن موسیٰ ابو اسحاق الشاطبیؒ مالکی	720ھ تا 790ھ	مقاصد الشریعۃ
19	احمد بن علی الرازیؒ	305ھ تا 370ھ	فقیہ، متکلم، امام اصول فقہ (فقہ حنفی کے اکابرین میں سے ہیں)
20	ابن عربی مالکیؒ	468ھ تا 543ھ	مؤرخ، قاضی، مفسر، فقیہ، محدث
21	اسماعیل بن عمرؒ (ابنِ کثیر)	1301ء تا 1373ء	مفسر، مورخ، محدث (شاگرد ابن تیمیہؒ)
22	جلال الدین محلیؒ	1389ء تا 864ھ	اصولی، مفسر، فقیہ
23	ابوالحسن ماوردیؒ شافعی	974ء تا 1052ء	فقیہ، مفسر، ماہر عمرانیات و سیاسیات
24	محمد بن محمد بن عمر علاؤ الدین (ابن عابدین)	1244ھ تا 1306ھ	حنفی، فقیہ، شارح کتب فقہ
25	ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی حنفی	587ھ/1191ء م	فلسفی، فقیہ

26	احمد بن محمود نسفیؒ	1240 تا 1310ء	متکلم، مفسر

متاخرین

27	شاہ ولی اللہؒ	1703ء تا 1762ء	متکلم، فلسفی، محدث، مترجم و مفسر، عمرانیات، معاشیات، سیاسیات کے ماہر، صوفی
28	شہاب الدین محمود آلوسیؒ	1802ء تا 1854ء	مفسر، فقیہ
29	شیخ اسماعیل حقیؒ	1063 تا 1127ھ	متکلم، مترجم و مفسر
30	علامہ رشید رضا	1865ء تا 1935ء	فلسفی، متکلم، مفسر (مفتی محمد عبدہٗ کے شاگرد)
31	علامہ مراغیؒ	1883ء تا 1952ء	مفسر، مصنف و مفکر
32	علامہ مراغیؒ	1906ء تا 1966ء	متکلم، مفسر و مفکر اسلام
33	شیخ عبدالرحمان سعدیؒ حنبلی	1889ء تا 1956ء	ماہر علوم اللسان، مفسر
34	شیخ شنقیطیؒ	1905ء تا 1975ء	فقیہ و مفسر، مصنف
35	شاہ رفیع الدینؒ	1750 تا 1818ء	مترجم و مفسر
36	شاہ عبدالقادرؒ	1753ء تا 1814ء	مترجم و مفسر
37	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	1703ء تا 1810ء	قاضی، فقیہ، محدث، مفسر، صوفی
38	مولانا اشرف علی تھانویؒ	1863ء تا 1942ء	متکلم، فقیہ، صوفی، مفسر
39	مولانا عبدالحق حقانیؒ	1910ء تا 1988ء	عالم، مصنف، مفسر
40	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	1887ء تا 1940ء	مفسر، محدث، مدرس و تحریک پاکستان کے مجاہد
41	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	1897ء تا 1976ء	فقیہ، مفسر
42	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	1903ء تا 1979ء	مفکر عمرانیات، معاشیات و سیاسیات و مترجم و مفسر (بانی جماعتِ اسلامی)

43	امین احسن اصلاحیؒ	1904ء تا 1997ء	مترجم، مفسر، مصنف
44	پیر کرم شاہ الازہریؒ	1918ء تا 1998ء	چشتی صوفی، مفکر، مترجم و مفسر
45	مولانا سرفراز خاں صفدرؒ	1914ء تا 2009ء	محدث، مفسر، فقیہہ
46	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	1932ء تا 2010ء	مفکر، فسلفی، مصلح، مدرس و مفسر
47	صوفی عبدالحمید سواتیؒ	1917ء تا 2008ء	صوفی، مترجم و مفسر
48	مولانا وحیدالدین خاںؒ	1925ء تا 2021ء	مترجم و مفسر، فلسفی، ماڈریٹ مصلح
49	مولانا ابوالکلام آزادؒ	1888ء تا 1958ء	مترجم و مفسر، ادیب و خطیب
50	پروفیسر احمد یار	1940ء تا 1997ء	پروفیسر عربی ادب، پنجاب یونیورسٹی، مدرس قرآنِ حکیم
51	مولانا عبدالرحمان کیلانیؒ	1923ء تا 1995ء	مترجم و مفسر و مصنف
52	مولانا گوہر رحمانؒ	1930ء تا 2003ء	مفسر، محدث، مفکر و ادیب
53	عبدالرحمان ابن خلدونؒ	1332ء تا 1406ء	فقیہہ، ماہر عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، تاریخ
54	ادریس پاشا قرنی	حیات	
55	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	1899ء تا 1874ء	مفسر، سیرت نگار، شارح کتب حدیث
56	احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہؒ	621ھ تا 728ھ	مترجم و مفسر، متکلم، فقیہہ، مفکر
57	علی ابن احمد بن سعید ابن حزم	994ء تا 1064ء	مجتہد، فقیہہ، ظاہری
58	استاذ محمد مبارک	1912ء تا 1981ء	مفکرِ اسلام
59	مولانا صدرالدین اصلاحی	1916ء تا 1998ء	مفکر اسلام و مصنف
60	ابوعبداللہ محمد بن سعد	784ء تا 845ء	مؤرخ
61	ابن الاثیر	1160ء تا 1233ء	مفکر و مؤرخ

62	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ	1892ء تا 1956ء	مفکر و مورخ
63	مولانا شبلی نعمانیؒ	1857ء تا 1914ء	مفکر، مؤرخ، سیرت نگار
64	مولانا ابوالحسن علی ندویؒ	1914ء تا 1999ء	مفکر، مؤرخ، فلسفی، ادیب
65	مولانا محمد میاںؒ	1903ء تا 1975ء	مورخ، ادیب، دیوبندی
66	مولانا مسعود عالم ندویؒ	1910ء تا 1954ء	مفکر و مصنف (ندوۃ العلماء)
67	شیخ محمد اکرام	1908ء تا 1973ء	ادیب، مؤرخ، ڈاکٹریٹ
68	مولانا حسین احمد مدنیؒ	1878ء تا 1957ء	مفسر، محدث، صوفی (دیوبند)
69	محمد عبداللہ ملک	1920ء تا 2003ء	صحافی، دانشور
70	خلیل احمد الحامدی	1929ء تا 1994ء	ادیب، مصنف
71	محمد اسماعیل ریحان	حیات	مؤرخ